من مقررات ادارة كنز المدارس

مختصر المعاني

استاد فضیل رضا مدنی صاحب
احمد عباس عطاری
مرکزی جامعة المدینه گجرات

کنز المدارس کے نصاب میں شامل

مختصر المعانی

(سوالاً جواباً)

احمد عباس عطاری

مرکزی جامعۃ المدینہ گجرات

أحوال المسند

سوال: مسند کے احوال کو "ترکہ" سے کیوں شروع کیا؟

جواب: ترک کسی چیز کے نالانے اور عدمِ اتیان کو کہتے ہیں اور جو چیز عدم (ترک) ہوتی ہے وہ وجود اور حادث پر مقدم ہوتی ہے اسی وجہ سے عدم مسند (ترکِ مسند) کو ذکرِ مسند پر مقدم کیا

سوال: کن چیزوں کی وجہ سے مسند کو حذف کیا جاتا ہے؟

جواب: جن چیزوں کی وجہ سے مسند الیہ کو حذف کیا جاتا ہے انہی چیزوں کی وجہ سے مسند کو بھی حذف کیا جاتا ہے

مثلاً: مقام کی تنگی کی وجہ سے، ظاہر کی پیروی کرتے ہوئے، درد کی وجہ سے

سوال: صاحبِ کتاب نے مسند کے حذف میں کس شعر کو بطورِ مثال بیان کیا اور وہ کس کا شعر ہے؟

جواب: صاحبِ کتاب نے مسند کے حذف میں مذکورہ شعر بطور مثال بیان کیا ہے "و من یک أمسی بالمدینۃ رحلہ فإنِي و قیار بھا لغریب"

ترجمہ: وہ بندہ خوش بخت ہو گیا ہے جس کا ٹھکانا مدینے میں ہے پس میں اور قیار غریب ہیں

☆ یہ شعر ضابیٔ بن حارث نے لکھا ہے جیسا کہ "الصحاح میں مذکور ہے، یہ شعر لفظاً اگرچہ خبر ہے لیکن معنیً حسرت اور درد کو بیان کرتا ہے

سوال: مذکورہ شعر میں رحل اور قیار سے کیا مراد ہے؟

جواب: مذکورہ شعر میں رحل سے مراد "منزل اور ٹھکانا" ہے اور قیار یا تو گھوڑے کا نام ہے یا اونٹ کا نام ہے یا شاعر کے غلام کا نام ہے

سوال: انّ کے اسم پر قیّار کا محلًا عطف کرنا کیسا؟

جواب: انّ کے اسم پر قیار کا محلًا عطف کرنا جائز نہیں جب تک کہ مبتداء کی خبر کو لفظاً یا تقدیرًا ذکر نہ کیا جائے اگر ذکر نہیں کریں گے تو دو عاملوں کا ایک معمول کی طرف متوجہ ہونا لازم آئے گا جو کہ ممنوع ہے

سوال: مذکورہ شعر میں کتنی صورتوں میں انّ کے اسم پر قیّار کا عطف جائز ہے اور کتنی صورتوں میں ناجائز ہیں؟

جواب: مذکورہ شعر میں دو صورتوں میں انّ کے اسم پر قیّار کا عطف کرنا جائز ہے اور دو ہی صورتوں میں ناجائز ہیں

جائز صورتیں:

1 قیّار کی خبر کو محذوف مان کر پورے جملے کا پورے جملے پر عطف کیا جائے

کیونکہ خبر تقدیری طور پر مقدر ہو گی اور یہ صورت اس مثال کی طرح ناجائز نہیں ہے "انّ زیدًا و عمرًا ذاھبان" بلکہ یہ اس کی طرح جائز ہے "انّ زیدًا و عمرًا الذاھب"

2 لغریب کو انّ کے اسم کی خبر بنائے اور قیّار کی خبر کو محذوف مانیں

ناجائز صورتیں:

1 قیّار کا انّ کے اسم پر محلًا عطف کرنا اور لغریب کو دونوں کی خبر بنانا یعنی ان دونوں کو اس کی طرف متوجہ کرنا

2 لغریب کو قیار کی خبر بنا کر انّ کے لیے خبر کو محذوف مانا جائے

سوال: " نحن بما عندنا و أنت بما عندک راضٍ والرأي مختلف " مذکورہ شعر کا ترجمہ کرتے ہوئے شعر کی بلاغت کی روشنی میں وضاحت کریں

جواب: مذکورہ شعر کا ترجمہ یہ ہے "ہم اس پر راضی ہیں جو ہمارے پاس ہیں اور تم اس پر راضی ہو جو تمہارے پاس ہے اور رائے مختلف ہے"

مذکورہ شعر میں نحن مبتداء ہے اور اس کی خبر (راضون) مقام کی تنگی کی وجہ سے محذوف ہے

گویا عبارت یوں بنے گی " نحن بما عندنا راضون " یہاں پر پہلی خبر دوسرے قرینے کی وجہ سے محذوف ہے اور پہلے شعر میں اس کے برعکس ہے

☆اور تمہارا کہنا: "زید منطلق و عمرو"

اس مثال میں عمرو مسند الیہ ہے اور اس کی خبر (منطلق) محذوف ہے اور اس پر قرینہ مبتداء اول کی خبر ہے اور اسکے حذف کرنے سے مقصود عبث سے احتراز کرنا ہے

اعتراض: یہ مثال تو پہلی مثال کی طرح ہے کہ پہلی میں بھی مبتدا اول کی خبر مبتداء ثانی کی خبر کے محذوف ہونے کا قرینہ بن رہی ہے اور یہاں بھی ایسا ہی ہے لہذا یہ مثال لغو ہے

جواب: ان دونوں مثالوں میں فرق ہے اور وہ یہ ہے کہ پہلی مثال میں خبر کو حذف کرنے سے مقصود احتراز عن العبث کے ساتھ ساتھ مقام کا تنگ ہونا بھی ہے اور یہاں صرف احتراز عن العبث ہے مقام کی تنگی نہیں ہے

سوال: "خرجت فاذازید" میں کونسا مسند محذوف ہے اور اس کے محذوف ہونے کی وجہ بھی بیان کریں

جواب: مذکورہ مثال میں خبر محذوف ہے اور وہ یا تو موجود، یا حاضر، یا واقف یا بالباب وغیرہ ہیں

اور اس کے محذوف ہونے کی وجہ گزشتہ وجوہات کے ساتھ ساتھ استعمال کی اتباع کرنا ہے، کیونکہ اذا فجائیہ مطلق وجود پر دلالت کرتا ہے اور کبھی اس کے ساتھ ایسے قرائن مل جاتے ہیں جو خبر کی خاص نوع پر دلالت کرتے ہیں جیسے یہاں خروج ہے جو بتا رہا ہے کہ زید دروازے پر کھڑا ہے یا حاضر ہے

سوال: "انّ محلًّا وانّ مرتحلًا وانّ في السفر اذ مضوا مهلًا" مذکورہ شعر کا ترجمہ کرتے ہوئے شعر کی بلاغت کی روشنی میں وضاحت کریں

جواب: مذکورہ شعر کا ترجمہ یہ ہے "ہمارے لیے دنیا میں آنا بھی ہے اور کوچ کرنا بھی ہے، اور جب سفر کرنے والے چلے جاتے ہیں تو وہی ٹھہر جاتے ہیں)

مذکورہ شعر میں مسند جو کہ ظرف ہے کو اختصار کے لیے اور دو قوی دلیلوں یعنی عقل کی طرف عدول کرنے کے لیے اور مقام کی تنگی کی وجہ سے اور استعمال کی اتباع (کلامِ عرب کی اتباع) کی وجہ سے حذف کر دیا گیا ہے

یہاں تک کہ علامہ سیبویہ نے اس کے بارے میں ایک مستقل باب قائم کیا اور لکھا ہے "هذا باب ان مالًا وانّ ولدًا)

سوال: اللہ پاک کے فرمان " قُل لَّوۡ أَنتُمۡ تَمۡلِكُونَ خَزَآئِنَ رَحۡمَةِ رَبِّيٓ" میں کونسا مسند محذوف ہے نیز اس کے محذوف ہونے کی کیا وجہ ہے؟

جواب: مذکورہ آیتِ مبارکہ میں "انتم" مبتداء نہیں ہو سکتا کیونکہ "لو" فعل پر داخل ہوتا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ "انتم" محذوف فعل کا فاعل ہے اور وہ فعلِ مسند "تملکون" ہے اور اصل عبارت یہ ہے "لو تملکون تملکون" پھر پہلے فعل کو حذف کیا کیونکہ مفسَّر اور مفسِّر ایک جملے میں جمع نہیں ہو سکتے، پھر ضمیر متصل کو ضمیر منفصل سے بدل دیا کیونکہ عامل کو حذف کرنے کے وقت یہی قانون ہے

سوال: اس مثال اور سابقہ مثالوں میں فرق بیان کریں

جواب: اس مثال اور سابقہ مثالوں میں فرق یہ ہے کہ سابقہ مثالوں میں اسم یا جملہ محذوف ہوتا تھا اور اس مثال میں فعل محذوف ہے

سوال: "فصبر جمیل" کس کس چیز کے حذف کرنے کی مثال بن سکتی ہے؟

جواب: مذکورہ مثال مسند الیہ اور مسند دونوں کو حذف کرنے کی مثال بن سکتی ہے، اگر مسند الیہ محذوف ہو تو تقدیری عبارت یوں ہو گی "فامری صبر جمیل" اور اگر مسند محذوف ہو تو تقدیری عبارت یوں ہو گی "فصبر جمیل اجمل"

☆ حذف کرنے میں کثیر فائدے ہیں کیونکہ کلام کو دونوں معانی پر محمول کرنا ممکن ہے، اگر ذکر کر دیتے تو ایک متعین ہو جاتا

قاعدہ:

مسند کے حذف کے لیے کسی ایسے قرینے کا پایا جانا ضروری ہے جو اس پر دلالت کرے تاکہ معنی مفہوم سمجھا جائے

اعتراض: مصنف نے صرف مسند کے لیے قرینے کو کیوں ضروری قرار دیا، مسند الیہ کے لیے کیوں ضروری قرار نہیں دیا؟

جواب: مذکورہ اعتراض کے دو جوابات ہیں

1 مسند الیہ کو حذف کرنے کے لیے قرینے کا پایا جانا ضروری نہیں

مثلاً: جب مفعول بہ کو فاعل کا قائم مقام کیا جائے جیسا کہ جب "ضَرَبَ زیدٌ بکرًا" کو "ضُرِبَ بکرًا" کیا جائے

2 مسند کو حذف کرنے کے لیے ایسے جملے کا پایا جانا ضروری ہے جو سوال محقق یا سوال مقدر کے جواب میں ہو

☆ سوال محقق کا جواب بننے کی مثال:

اللہ پاک نے فرمایا "وَلَئِنۡ سَاَلۡتَهُمۡ مَّنۡ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ لَيَقُوۡلُنَّ اللّٰهُ"

مذکورہ آیتِ مبارکہ میں لفظ 'اللہ' سے پہلے 'خلقھنّ' مسند محذوف ہے، یہ کلام اس سوال کا جواب واقع ہو رہا ہے جو شرط و جزاء سے فرضی طور پر متحقق کیا گیا ہے

اعتراض: آپ نے لفظِ 'اللہ' کو فاعل بنایا اور 'خلقھنّ' کو مسند محذوف بنایا بہتر تو یہ تھا کہ آپ لفظِ 'اللہ' کو مبتداء بناتے اور 'خلقھنّ' کو مسند محذوف مانتے جس پر قرآنی آیات بھی گواہ ہیں مثلاً: " قُلۡ مَنۡ يُّنَجِّيۡكُمۡ مِّنۡ ظُلُمٰتِ الۡبَرِّ وَالۡبَحۡرِ سے قُلِ اللّٰهُ يُنَجِّيۡكُمۡ مِّنۡهَا تک "

جواب: یہاں اگرچہ لفظِ 'اللہ' کو مبتداء اور 'خلقھنّ' کو خبر بنانے والا احتمال ہے لیکن قرآن پاک میں فعل و فاعل کے کثیر احتمال ہیں لہذا ان احتمالات کے زیادہ ہونے کی وجہ سے اس احتمال کو بھی اسی پر محمول کیا

اور (لفظِ اللہ) مرفوع کے فاعل ہونے اور (خلقھن) فعل کے محذوف ہونے پر دلیل اس فعل کا حذف نا کرنے کی صورت میں بھی اسی طرح ہونا ہے جیسے اللہ پاک کا فرمان: "وَلَئِن سَأَلْتَهُم مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ لَيَقُولُنَّ خَلَقَهُنَّ الْعَزِيزُ الْعَلِيمُ" "قَالَ مَن يُحْيِ الْعِظَامَ وَهِيَ رَمِيمٌ (78) قُلْ يُحْيِيهَا الَّذِي أَنشَأَهَا أَوَّلَ مَرَّةٍ"

اب ان دونوں آیات میں دیکھیں تو پہلی آیت میں "العزیز العلیم" کو اور دوسری آیت میں "الذی انشاھا اوّل مرّہ" کو فاعل بنایا ہے

لہذا مصنف کا قول کہ لفظِ 'اللہ' فاعل اور مبتداء دونوں کا احتمال رکھتا ہے لیکن فاعل والا احتمال کثیر الوقوع ہے لہذا اس کلام کو اسی پر محمول کر دیا

سوال مقدّر کا جواب بننے کی مثال:

جیسے ضرار بن نھشل کا شعر جو اس نے اپنے بھائی یزید بن نھشل کے مرثیے میں کہا تھا اور وہ یہ ہے

"لیبک یزید ضارع الخصومۃ ومختبط مما تطیح الطوائح"

ترجمہ: چاہیے کہ یزید کو رویا جائے ضارع اس وجہ سے کہ حوادثاتِ زمانہ نے اس کے مال کو ضائع کر دیا

گویا یوں کہا گیا کہ کون روئے؟ تو اس کے جواب میں کہا (ضارع) یعنی وہ شخص روئے جو اپنے مقابل سے لڑائی کے وقت عاجز ہو کیونکہ یزید کمزوروں اور ضعیفوں کا مددگار تھا

☆ مختبط اس شخص کو کہتے ہیں جو تمہارے پاس بے وسیلہ احسان ماننے آئے اور احاطہ کے معنی "ہلاک وضائع کرنا ہے"

☆ "الطوائح" خلافِ قیاس "مطیحۃ" کی جمع ہے جیسے "لواقع، ملقحۃ" کی جمع ہے اور مما مختبط کے متعلق ہے، اور ما مصدریہ ہے یعنی سائل سوال کرے اس وجہ سے کہ اس کے مال کو ضائع کر دیا ہے، یا یبکی فعلِ مقدر کے متعلق ہے یعنی روئے اس وجہ سے کہ موت نے یزید کو ختم کر دیا ہے، بہر دو تقدیر تطیح فعل مضارع بمعنی ماضی ہے

اعتراض: آپ نے لیبک یزید ضارع کو مجہول پڑھا ہے اگر آپ اسے معروف پڑھتے اور یزید کو مفعول بہ اور ضارع کو فاعل بنا دیتے تو اس صورت میں کسی چیز کو محذوف نا ماننا پڑتا، آپ نے اسے معروف کیوں نہیں پڑا؟

جواب: مصنف نے جس کی طرف (مجہول) عدول کیا ہے وہ چند صورتوں میں اس سے افضل ہے جس کی طرف عدول نہیں کیا یعنی مجہول پڑھنا معروف پڑھنے سے افضل ہے اور وہ چند صورتیں درج ذیل ہیں

1 تکرار اسناد کی وجہ سے

2 مجہول پڑھنے میں یزید کے کلام میں غیر فضلہ اور عمدہ واقع ہونے کی وجہ سے

3 مجہول پڑھنے میں ضارع جو کہ فاعل ہے کا حصول ایسی نعمت کے طور پر ہونے کی وجہ سے جس کی امید نہیں ہوتی

تفصیل:

1 تکرار اسناد کی وجہ سے:

مجہول پڑھنے کی صورت میں پہلے اس میں اجمالی پھر تفصیلی تکرارِ اسناد پائی جارہی ہے

اجمالی طور پر اس طرح کہ جب (لِیُبْکَ) کہا تو اب سوال پیدا ہوا کہ کوئی ایسی چیز ہے جس کی طرف رونے کی نسبت کی جائے کیونکہ فعل کی مفعول بہ کی طرف نسبت کرنے کے لیے فاعل کا پایا جانا ضروری ہے، جس فاعل کے قائم مقام وہ مفعول بہ ہوتا ہے، پس یہاں شعر میں جو فعل کی نسبت مفعول بہ کی طرف کی گئی ہے یہ اس بات کی خبر دیتی ہے کہ اس فعل کا کوئی فاعل ہو جو اس بات کا مستحق ہو کہ اس کی طرف فعل کی اسناد کی جائے لیکن وہ فعل ابھی مذکور نہیں یہی اسناد اجمالی ہے

اور اسناد تفصیل یہ ہے کہ جب فعل (یبکی) کی معین چیز (ضارع) کی طرف نسبت کر دی تو ضارع جو کہ فاعل ہے اور فعل کا مستحق ہے وہ صراحتاً مذکور ہو گیا اور فاعل کا صراحتاً مذکور ہونا ہی اسنادِ تفصیلی ہے

اور اس بات میں کوئی شک نہیں کہ تکرار کلام کو زیادہ پختہ اور قوی کرتا ہے اور اجمال کے بعد تفصیل زیادہ اچھے طریقے سے سمجھ آتی ہے

2 غیر فضلہ اور عمدہ ہونے کی وجہ سے:

مجہول پڑھنے کی صورت میں یزید نائب الفاعل (مسند الیہ) ہونے کی وجہ سے غیر فضلہ اور عمدہ واقع ہو رہا ہے

اور اگر ہم اسے معروف پڑھے اور یزید کو مفعول بہ بنائیں تو یہ فضلہ اور غیر عمدہ واقع ہو گا

3 غیر متنبہ نعمت کے حصول کی وجہ سے:

مجہول پڑھنے کی صورت میں جب فعل کی نسبت نائب الفاعل کی طرف کر دی تو اب فاعل کی ضرورت نہیں تھی لیکن جب شاعر نے فاعل کو ذکر کر دیا تو ایسی نعمت حاصل ہوئی جس کی امید نہیں تھی اور اس سے ایک خاص فرحت (خوشی) حاصل ہو گی لیکن اگر ہم اسے معروف پڑھیں گے تو سننے والا سمجھ لے گا کہ آگے فاعل آ رہا ہے لہذا اس سے وہ خاص طرح کی فرحت حاصل نہیں ہو گی جو کہ مجہول پڑھنے کی صورت میں حاصل ہو گی

سوال: کن چیزوں کی وجہ سے مسند کو ذکر کیا جاتا ہے؟

جواب: جن چیزوں کی وجہ سے مسند الیہ کو ذکر کیا جاتا ہے انہی کی وجہ سے مسند کو بھی ذکر کیا جاتا ہے اور وہ درج ذیل ہیں

1 مسند کے اصل ہونے اور ذکر کے عدول کا تقاضہ نہ کرنے کی وجہ سے مسند کو ذکر کیا جاتا ہے

مثلاً: "زید صالح"

2 قرینے پر اعتماد کی کمزوری کی وجہ سے بطور احتیاط مسند کو ذکر کیا جاتا ہے

مثلاً: "خَلَقَهُنَّ الْعَزِيزُ الْعَلِيمُ"

مذکورہ مثال میں خَلَقَهُنَّ کو قرینے پر اعتماد کی کمزوری کی وجہ سے ذکر کیا ہے

3 سامع کی کند ذہنی کی طرف اشارہ کرنے کے لیے مسند کو ذکر کیا جاتا ہے

مثلاً: جب کوئی سوال کرے "من نبیکم" تو اس کے جواب میں کہا جائے "محمد نبینا صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم"

☆ ان کے علاوہ اور بھی چیزیں ہیں جن کی وجہ سے مسند کو ذکر کیا جاتا ہے جیسے

4 مسند کا اسم متعین کرنے کے لیے مسند کو ذکر کیا جاتا ہے تا کہ وہ ثبوت اور دوام کا فائدہ دے

مثلاً: "زید عالم"

5 مسند کا فعل متعین کرنے کے لیے بھی مسند کو ذکر کیا جاتا ہے تا کہ وہ تجدد اور حدوث کا فائدہ دے

مثلاً: "زید علم"

سوال: مسند سببی اور غیر سببی کسے کہتے ہیں؟

جواب: مسند سببی کی تعریف:

اگر ضمیر ایسے اسم پر معلق ہو جو ضمیر کلام میں مسند الیہ واقع نہ ہو تو اسے مسند سببی کہتے ہیں

مسند غیر سببی کی تعریف:

اگر ضمیر ایسے اسم پر معلق ہو جو کلام میں مسند الیہ واقع ہو تو اسے مسند غیر سببی کہتے ہیں

سوال: مسند کو مفرد لانے کے لیے کتنی اور کون کونسی شرائط ہیں؟

جواب: مسند کو مفرد لانے کے لیے دو شرائط ہیں اور وہ یہ ہیں

1 مسند غیر سببی ہو مثلاً: "زید قام ابوہ"

2 مسند تقویتِ حکم کا فائدہ نہ دے مثلاً: "زید قام"

ان دونوں شرائط میں سے کوئی ایک یا دونوں مفقود ہوں یعنی اگر مسند سببی ہو اور مسند تقویتِ حکم کا فائدہ دے تو اس صورت میں مسند کو قطعی طور پر جملہ لائیں گے مثلاً: "زید قام ابوہ، زید قام"

اعتراض: آپ نے کہا کہ جب مسند تقویتِ حکم کا فائدہ دے تو اس وقت مسند جملہ ہو گا لیکن اس مثال (زید قائم) میں مسند تقویت حکم کا فائدہ دے رہا ہے اور یہ تقویت حکم میں "زید قام" کی طرح ہے لیکن پھر بھی آپ نے اسے مفرد پڑھا لہذا آپ کا قاعدہ درست نہیں؟

جواب: ہم آپ کی یہ بات تسلیم نہیں کرتے کہ "زید قائم" "تقویتِ حکم میں "زید قام" کی طرح ہے بلکہ یہ اس کے قریب قریب ہے کیونکہ یہ ضمیر کو متضمن ہونے میں تو زید قام کی طرح ہے لیکن اسی طرح یہ قائم اسم جامد کے ساتھ بھی مشابہت رکھتا ہے، لہذا آپ کا اعتراض وارد نہیں ہوتا

اعتراض: آپ نے کہا کہ اگر مسند تقویتِ حکم کا فائدہ دے تو اسے جملہ لاتے ہیں لیکن ہم آپ کو ایسی مثالیں دیتے ہیں جن میں تقویتِ حکم حاصل ہو رہی ہے لیکن آپ نے انہیں مفرد پڑھا

دیکھئے ان دونوں مثالوں میں "عرفت عرفت، ان زید اعارف"

جواب: اس اعتراض کے دو جوابات ہیں

1 تقویتِ حکم سے مصنف کی مراد نفسِ ترکیب میں تقویتِ حکم کا فائدہ دینا ہے

2 تقویتِ حکم سے مصنف کی مراد مخصوص طریقے سے تقویتِ حکم حاصل ہونا ہے اور وہ یہ ہے کہ مسند مفرد (ایک) ہو اور اس میں اسناد مکرر (تکرار کے ساتھ) ہو

پس آپ کی بیان کردہ مثالوں میں سے پہلی مثال (عرفت عرفت) میں مسند مفرد نہیں ہے اور دوسری مثال (انّ زیدًا عارف) میں تکرار اسناد نہیں ہے لہذا آپ کا اعتراض وارد میں ہوتا

اعتراض: آپ نے مسند کو مفرد لانے کی دو شرائط بیان کی ہیں کہ وہ غیر سببی ہو اور تقویتِ حکم کا فائدہ دینے والا نہ ہو، ہم آپ کو ایسی مثالیں دیتے ہیں کہ ان میں مسند تقویتِ حکم کا فائدہ نہیں دے رہا لیکن اس کے باوجود آپ اسے جملہ لائے ہیں اور وہ مثالیں یہ ہیں "انا سعیت فی حاجتک، رجل جاءنی، ماأنا فعلت ھذا" مذکورہ تینوں مثالوں میں تخصیص کا ارادہ کیا گیا ہے، تقویتِ حکم کا ارادہ نہیں کیا گیا

جواب: ہم آپ کی یہ بات تسلیم کرتے ہیں کہ مذکورہ مثالوں میں تخصیص کا ارادہ کیا گیا ہے تقویتِ حکم کا ارادہ نہیں کیا گیا لیکن یہ بات تسلیم نہیں کرتے کہ یہاں تقویتِ حکم حاصل ہی نہیں ہو رہی بلکہ یہاں تکرارِ اسناد کی وجہ سے تقویتِ حکم حاصل ہو رہی ہے اور مصنف نے یہ علت بیان کی تھی کہ مسند تقویتِ حکم کا فائدہ نہ دے یہ نہیں کہا تھا کہ تقویتِ حکم کا ارادہ نہ کیا جائے

اور اگر ہم تسلیم کر بھی لیں کہ یہاں تخصیص کے ارادے کی وجہ سے تقویتِ حکم حاصل نہیں ہو رہی تو اس سے مراد یہ ہے کہ مسند کا مفرد ہونا اس ایک معنی کی وجہ سے ہو سکتا ہے اور اس ایک معنی کی وجہ سے (مسند کا غیر سببی و تقویتِ حکم کا فائدہ دینے والا نہ ہونا) تمام صورتوں میں مفرد ہونا متحقق نہیں ہوتا

اس کو یوں سمجھئے کہ ایک وجودِ مشروط ہوتا ہے اور ایک وجودِ شرط ہوتا ہے، وجودِ مشروط کے پائے جانے کے وقت وجودِ شرط کا پایا جانا ضروری ہے لیکن وجودِ شرط کے پائے جانے کے وقت وجودِ مشروط کا پایا جانا ضروری نہیں، یہاں مسند کا مفرد ہونا وجود مشروط ہے اور یہ دونوں شرائط (غیر سببی ہونا، تقویتِ حکم نہ ہونا) وجودِ شرط ہے تو جب وجودِ مشروط (مسند کا مفرد ہونا) پایا جائے گا تو وجود شرط (غیر سببی، تقویتِ حکم نہ ہونا) پایا جائے گا، لیکن جب وجودِ شرط پایا جائے گا تو اس وقت وجود مشروط کا پایا جانا ضروری نہیں

اعتراض: مصنف نے مسند سببی کی مثال بیان کی تعریف کو ذکر نہیں کیا، چاہیے تو یہ تھا کہ اس کی تعریف بیان کرتے کیونکہ تعریف کے ذریعے چیز زیادہ واضح ہوتی ہے

جواب: مسند فعلی اور مسند سببی علامہ سکاکی صاحب کی اجادات ہیں جبکہ موصوف (علامہ سکاکی) نے اپنی کتاب "مفتاح العلوم" کی اس قسم جو کہ نحو کی مثال کے متعلق ہے میں وصف بحال الشئ (موصوف کی صفت کو بیان کرنے) کانام وصف فعلی اور وصف بحال ماھو من سببہ کانام وصف سببی رکھا ہے

اور علم المعانی میں مسند (زید قام) کانام مسند فعلی اور مسند (زید قام ابوہ) کانام مسند سببی رکھا ہے

اور پھر ان کی تفسیر بیان کی جو کہ دشواری اور پیچیدگی سے خالی نہیں ہے، اسی وجہ سے مصنف نے مسند سببی کی مثال پر اکتفاء کیا اور فرمایا:

مسند سببی سے مراد (زید ابوہ منطلق) ہے اور اسی طرح (زید انطلق ابوہ)

وصف سببی کی مثال: (رجل کریم ابوہ)

وصف فعلی کی مثال: (رجل کریم)

سوال: کیا مسند کی کوئی ایسی تعریف ہے جس کے ذریعے اسے آسان انداز میں سمجھا جاسکے؟

جواب: جی ہاں! مسند کی ایسی تعریف بیان کی جاسکتی ہے جس کے ذریعے اسے آسان انداز میں سمجھا جاسکتا ہے اور وہ یہ ہے کہ "مسند سببی وہ جملہ ہے جو ضمیر عائد کے ساتھ مبتداء کے ساتھ مربوط (معلق) ہو اور وہ ضمیر عائد اس جملے میں مسند الیہ واقع نہ ہو" لھذا الجملة کی قید سے "زید منطلق ابوہ" مسند سببی سے نکل جائے گی کیونکہ یہ مفرد واقع ہو رہی ہے

☆ اور بعائد کی قید سے "قل ھو اللہ احد" مسند سببی سے نکل جائے گی کیونکہ اس میں مسند اگرچہ جملہ تو ہے لیکن مبتداء کے ساتھ مربوط نہیں ہے

☆ اور مسند الیہ ہونے کی وجہ سے یہ مثالیں خارج ہو جائیں گی "زید قام، زید ھو قائم" کیونکہ ان میں ضمیر عائد مسند الیہ واقع ہو رہی ہے اور درج ذیل تمام مثالیں مسند سببی میں داخل ہیں

"زید اَبوہ قائم، زیر قام اَبوہ، زید مررت بہ، زید ضربت عمرًا فی دارہ، زید ضربتہ"

☆اور اسی طرح وہ جملے بھی مسند سببی میں داخل ہیں جو مبتداء کی خبر واقع ہوتے ہیں اور تقویتِ حکم کا فائدہ نہیں دیتے

سوال: مسند سببی کی تعریف اور فوائد و قیودات کو جاننے کے لیے کیا کرنا چاہیے؟

جواب: مسند سببی کی تعریف اور فوائد و قیودات کو جاننے کے لیے عمدہ بات یہ ہے کہ علامہ سکاکی صاحب کے کلام میں غور و فکر کیا جائے کیونکہ ان کے علاوہ کسی نے بھی ان اصطلاحات کو ذکر نہیں کیا

سوال: کیا مسند کو فعل بھی لایا جاتا ہے، اگر لاتے ہیں تو کیوں لاتے ہیں مع دلیل بیان کریں

جواب: جی ہاں! مسند کے احوال میں سے ایک حالت یہ ہے کہ اسے فعل لایا جاتا ہے یعنی مسند تینوں زمانوں میں سے کسی زمانے کے ساتھ مقید ہوتا ہے اور تجدد (کسی کام کے بار بار ہونے) کا فائدہ دیتا ہے

دلیل:

کیونکہ فعل اپنے صیغے کے ساتھ تینوں زمانوں میں سے کسی ایک زمانہ پر قرینے کے بغیر دلالت کرتا ہے برخلاف اسم کے کہ اسم کسی زمانے پر قرینے کے ساتھ دلالت کرتا ہے

مثلاً: "زید قائم الآن، زید قائم اُمس، زید قائم غدا"

☆ تجدد کے دو معنی ہیں

1 عدم کے بعد کسی چیز کا حاصل ہونا

2 استمرار کے طریقے پر سی چیز کا حاصل ہونا

فعل کے مفہوم کا حصول تجدد کے پہلے معنی میں معتبر ہے، دوسرے معنی میں معتبر نہیں ہے اور اس کو لازم بھی نہیں ہے بلکہ زمانے کو لازم ہے، زمانہ ایسی چیز ہے جو کسی جز کے ساتھ ملی ہوئی نہیں ہوتی یعنی یا یہ ماضی میں ہوگا یا مستقبل ہوگا یا حال میں ہوگا اور زمانہ فعل کے مفہوم کا جز ہے

مثلاً: طریف بن تمیم کا مذکورہ شعر:

"او کلما وردت عکاظ قبیلۃ بعثوا الیّ عریفھم یتوسم"

ترجمہ: جب کبھی عکاظ قبیلے والے میلے میں اپنے نگران کو بھیجتے ہیں، جو چہروں کو غور سے دیکھتا ہے

☆ عکاظ عرب کا ایک بازار تھا، عرب یہاں جمع ہو کر شعر و شاعری و فخر کرتے تھے، اس میں بہت سے واقعات ہوتے، قوم کا عریف اس شخص کو کہتے ہیں جو ان کے معاملات کا نگران ہوتا ہے اور وہ ان کاموں میں مشہور ہوتا ہے

یتوسم کی وضاحت:

اب اس نگران کا چہروں کو غور سے دیکھنا اور ایک چیز کے بعد دوسری چیز کو ملاحظہ کرنا جو کہ اس کی طرف سے واقع ہو رہا ہے ایک زمانے میں نہیں ہو رہا بلکہ کچھ کو اس نے زمانہ ماضی میں دیکھا، کچھ کو زمانہ مستقبل میں دیکھے گا اور کچھ کو زمانہ حال میں دیکھ رہا ہے اور ہم نے بھی یہی بات کی تھی کے زمانہ کسی ایک چیز کے ساتھ ملا ہوا نہیں ہوتا

سوال: ماضی کسے کہتے ہیں؟

جواب: ماضی اس زمانے کو کہتے ہے جو بندے کے موجودہ زمانے سے پہلے گزر چکا وہ موجودہ زمانہ جس میں بندہ ہے

سوال: مستقبل کسے کہتے ہیں؟

جواب: مستقبل اس زمانے کو کہتے ہے جس کا موجودہ زمانے کے بعد انتظار کیا جائے

سوال: حال کسے کہتے ہیں؟

جواب: زمانہ ماضی کے آخری اجزاء اور زمانہ مستقبل کے پہلے اجزاء کا پے درپے بغیر مہلت و تراخی کے ہونے کو حال کہتے ہیں

سوال: مسند کو کب اور کیوں اسم لایا جاتا ہے؟ مع مثال بیان کریں

جواب: جب مسند سے مقصود زمانے سے مقید کرنا اور تجدد کا فائدہ حاصل کرنا نہ ہو بلکہ دوام و ثبوت مقصود ہو تو تب مسند کو اسم لاتے ہیں

مثلاً: لا یألف الدرھم المضروب صرّتنا لکن یمرّ علیھا و ھو منطلق

ترجمہ: ہماری جیب ڈھلے ہوئے درہموں سے الفت نہیں رکھتی لیکن وہ جیب پر گزرتے ہیں اور چلے جاتے ہیں

مذکورہ مثال میں "المنطلق" مسند کو اسم لائے تاکہ ثبوت و دوام کا فائدہ حاصل ہو یعنی جیب سے چلا جانا دراہم کے لیے دائمی طور پر ثابت ہے

سوال: اسم دوام کا فائدہ دینے میں مفید ہے یا نہیں؟ اس بارے میں شیخ عبد القاہر کا موقف بیان کریں

جواب: شیخ عبد القاہر فرماتے ہیں کہ اسم کی وضع صرف اس لیے ہے کہ ایک شے کو دوسری شے کے لیے ثبوت کا فائدہ دے لہذا (زید منطلق) میں انطلاق کو زید کا فعل ثابت کرنے کے سوا کسی چیز کا فائدہ نہیں جیسے "زید طویل اور عمرو قصیر" میں ہے

سوال: مسند فعلی کو مفاعیل وملحقات کے ساتھ مقید کرنے کی وجہ بیان کریں

جواب: مسند فعلی کو مفعول، حال، تمیز اور مستثنیٰ وغیرہ کے ساتھ اس لیے مقید کرتے ہیں تاکہ فائدہ بڑھ جائے کیونکہ حکم میں جب بھی خصوص زیادہ ہوگا تو غرابت بڑھ جائے گی اور جتنی غرابت بڑھے گی اتنا فائدہ بھی زیادہ ہوگا

چنانچہ یہ چیز ہمارے اس قول سے ظاہر ہے "شیءما موجود اور فلان بن فلان حفظ التوراۃ سنۃ کذا فی بلدۃ کذا"

اعتراض: آپ نے کہا ہے کہ فعل یا اس کے مثل کو جب مقید بنایا جائے تو خبر میں زیادتی کا فائدہ حاصل ہوتا ہے حالانکہ ہم آپ کو ایسی مثال دیکھاتے ہیں کہ وہ فعل کا مثل ہے لیکن اسکے باوجود اس کو مقید کرنے سے خبر کی زیادتی حاصل نہیں ہوتی ہے مثلاً: "کان زیدًا منطلقا" اس میں کان کو منطلقا کے ساتھ مقید کر دیا گیا لیکن پھر بھی فائدہ حاصل نہیں ہوا

جواب: "کان زید منطلقا" میں خبر (منطلقا) کو کان کے ساتھ مقید کیا گیا نا کہ کان کو منطلقا کے ساتھ مقید کیا گیا جیسا کہ آپ نے سمجھا جب منطلقا کو کان کے ساتھ مقید کریں گے تو اس سے فائدے میں اضافہ ہوگا کیونکہ اس کا معنی یہ ہوگا "زید زمانہ ماضی میں چلنے والا تھا"

سوال: کیا مسند کے مقید کرنے کو ترک بھی کیا جاتا ہے؟

جواب: جی ہاں! مسند کے احوال میں سے ایک حالت یہ ہے کہ مسند کے مقید کرنے کو فائدے کی زیادتی کے مانع ہونے کی وجہ سے ترک کیا جاتا ہے

مثلاً: مدت اور فرصت کے ختم ہونے کا خوف ہو یا متکلم کے اس ارادے کی وجہ سے کہ حاضرین فعل کے زمانے پر یا فعل کے مکان پر یا فعل کے مفعول پر مطلع نہ ہو یا مقیدات کے علم کے نہ ہونے کی وجہ سے یا اس کی مثل کسی چیز کی وجہ سے مسند کے مقید کرنے کو ترک کیا جاتا ہے

سوال: کیا مسند فعل کو شرط کے ساتھ مقید کیا جاتا ہے؟ مع مثال بیان کریں

جواب: جی ہاں ! مسند کے احوال میں سے ایک حالت یہ ہے کہ مسند فعل کو شرط کے ساتھ مقید کیا جاتا ہے چاہے جزاء مقدم ہو (مثلاً: اکرمک ان تکرمنی میں تیری عزت کروں گا اگر تو میری عزت کرے گا)

یا جزاء مؤخر ہو (مثلاً: ان تکرمنی اکرمک اگر تو میری عزت کرے گا تو میں میری عزت کروں گا)

مذکورہ مثال میں شرط مقدم ہے اور جزاء مؤخر ہے

☆ مسند کو ان اعتبارات و حالات کی وجہ سے شرط کے ساتھ مقید کیا جاتا ہے جو مسند کو شرط کے ساتھ مقید کرنے کا تقاضہ کرتے ہیں

☆ ان اعتبارات و حالات کو حروف شرط اور اسمائے شرط کو پہچاننے کے ساتھ جانا جاتا ہے

علم نحو کی کتاب "التفصیل" میں یہ بات بیان کی گئی ہے

سوال: "اَما تقییدہ بالشرط" مذکورہ کلام میں کس بات کی طرف اشارہ ہے؟

جواب: اس کلام میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ شرط اہل عرب کے عرف میں جزاء کے لیے قید ہے جیسے منصوبات مسند کے لیے قید ہوتے ہیں

پس تمہارا قول: "ان جئتنی اُکرمک" اس درجے میں ہے کہ "اُکرمک وقت مجیئک ایای" یعنی میرا تیری تعظیم کرنا تیرے میرے پاس آنے کے وقت ہو گا

☆ اور جزاء والا کلام خبریہ اور انشائیہ ہونے کے اعتبار سے اس قید سے خارج نہیں ہو گا جس حالت پر وہ ہوتا ہے بلکہ اگر جزاء مقید ہونے سے پہلے خبر ہو تو جملہ شرطیہ خبریہ کہلائے گی مثلا: "اِن جئتنی اُکرمک"

اور اگر جزاء انشائیہ ہو تو کلام بھی انشائیہ ہو گا مثلا: "اِن جاءک زید فاکرمہ"

☆ بہر حال نفسِ شرط کو ادوات شرط خبریہ ہونے اور صدق و کذب کے احتمال سے نکال دیں گے

اعتراض: مصنف نے بولا ہے کہ جزاء کلام ہے اور شرط جزاء کے لیے قید ہے، شرط کلام میں داخل نہیں ہے جبکہ شارح نے "المطول" میں یہ تعریف بیان کی ہے کہ کلام شرط و جزاء کے مجموعے کا نام ہے اور لزوم ثانی کا اول کے لیے حکم لگایا گیا ہے

شارح کے ان دونوں اقوال میں تعارض آرہا ہے لہذا یہ درست نہیں ہے

جواب: یہاں دو مذہب ہیں ایک اہل عرب کا اور دوسرا منطقیوں کا

شارح نے اہل عرب کے مذہب کو مختصر المعانی میں بیان کیا اور منطقیوں کے مذہب کو المطول میں بیان کیا

اہل عرب کا مذہب:

جزاء کلام کا نام ہے، اس میں صدق و کذب اور خبریہ ہونے کا احتمال ہے، شرط جزا کے لیے قید ہے اور اداۃ شرط، شرط کو صدق و کذب کے احتمال سے نکال دیتے ہیں

منطقیوں کا مذہب:

ناہی اکیلے جزاء کا نام کلام ہے اور ناہی اکیلے شرط کا نام کلام ہے، لزوم ثانی کا اول کے لیے حکم لگایا گیا ہے

مثلاً: (کلما کانت الشمس طالعۃ فالنھار موجود)

مذکورہ مثال میں اہل عرب کے نزدیک فالنھار محکوم علیہ ہے اور موجودہ محکوم بہ ہے اور کانت الشمس طالعہ جزاء کے لیے قید ہے

اور مناطقہ کے نزدیک کانت الشمس طالعۃ محکوم علیہ اور فالنھار موجود محکوم بہ ہے، ان کے نزدیک دن کا موجود ہونا سورج کے طلوع ہونے پر دلالت کرتا ہے

☆اس وضاحت سے شارح کے دونوں اقوال میں فرق واضح ہو گیا

تمہید:

ان، اذا اور لو میں نظر کرنا ضروری ہے کیونکہ ان میں کثیر ابحاث میں لیکن نحویوں نے علم نحو میں ان کو بیان نہیں کیا

سوال: ان، اذا اور لو کس لیے آتے ہیں؟

جواب: ان اور اذا زمانہ مستقبل میں شرط کے لیے آتے ہیں اور لو زمانہ ماضی میں شرط کے لیے آتا ہے

سوال: ان اور اذا میں فرق بیان کریں

جواب: ان وقوع شرط میں شک و تردد پر دلالت کرتا ہے اور اذا وقوع شرط میں یقین پر دلالت کرتا ہے یعنی یہ شرط فی الاستقبال میں مشترک ہیں لیکن جزم و عدم جزم میں مشترک نہیں ہے

سوال: کیاان کلام اللہ میں واقع ہوتا ہے؟

جواب: 'ان' اپنے اصلی معنی (شک و تردد پر دلالت کرنے کرنے) کے اعتبار سے کلام اللہ میں واقع نہیں ہوتا مگر دو صورتوں میں لفظِ (ان) کو کلام اللہ میں ذکر کیا جاتا ہے

1 غیر سے کسی بات کو حکایت کرنے کے لیے

2 تاویل کے لیے یعنی کسی آیت کو یہ فرض کر لینا کہ کسی نے عربی میں ایسا بولا ہے

سوال: اذا کہاں استعمال ہوتا ہے؟

جواب: اذا زمانہ ماضی میں استعمال ہوتا ہے کیونکہ ماضی اپنے لفظوں کے ساتھ یقین کے معنی پر دلالت کرتا ہے

☆ اذا ماضی کو مستقبل کے معنی میں کر دیتا ہے

اعتراض: جس طرح ان وقوع شرط کے عدم جزم پر دلالت کرتا ہے اس طرح ان لا وقوع شرط میں بھی عدم جزم پر دلالت کرتا ہے اور جس طرح اذا وقوع شرط کے جزم پر دلالت کرتا ہے اس طرح لا وقوع شرط کے عدم جزم پر بھی دلالت کرتا ہے، لہذا مصنف کو اس طرح کہنا چاہیے تھا کہ ان وقوع شرط اور لا وقوع شرط کے عدم جزم پر دلالت کرتا ہے اور اذا وقوع شرط کے جزم اور لا وقوع شرط کے عدم جزم پر دلالت کرتا ہے

جواب: لا وقوع شرط کے ساتھ عدم جزم کے دلالت کرنے کے اذا اور ان کے درمیان مشترک ہونے کی وجہ سے مصنف نے اسے بیان نہیں کیا، اور یہاں مصنف کا مقصود وجہ افتراق کو بیان کرتا ہے اور وہ مصنف نے بیان کر دیا ہے

سوال: ان کا حکم بیان کریں

جواب: ان کا حکم نادر اور قلیل الوقوع ہوتا ہے یعنی اس کا استعمال اکثر طور پر وہاں ہوتا ہے جہاں حکم غیر قطعی اور غیر یقینی ہوتا ہے

سوال: ان اور اذا کے حکم و استعمال پر دلیل کے طور پر مثال بیان کریں

جواب: ان اور اذا کے حکم و استعمال پر مذکورہ آیت مبارکہ دلیل ہے

فَاِذَا جَآءَتْهُمُ الْحَسَنَةُ قَالُوْا لَنَا هٰذِهٖ وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَیِّئَةٌ یَّطَّیَّرُوْا بِمُوْسٰى وَ مَنْ مَّعَهٗ

ترجمہ: اور جب قومِ موسی کے پاس کوئی بھلائی آتی ہے تو وہ کہتے ہیں کہ یہ ہمارے لیے ہے یعنی یہ ہمارے ساتھ خاص ہے اور ہم اس کے مستحق ہیں اور اگر انہیں کوئی برائی پہنچے تو وہ حضرت موسیٰ عَلَیۡہِمُ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام اور ان کے ساتھ ایمان لانے والوں کو ملامت کرتے ہیں

☆اس آیت میں لفظ الحسنہ کو ماضی اور اذا کے ساتھ استعمال کیا گیا، اور یہاں پر حسنہ سے حسنہ مطلقہ مراد ہے جس کا حصول قطعی ہوتا ہے اسی وجہ سے الحسنہ کو الف لام جنسی کے ساتھ معرفہ لایا گیا ہے کیونہ جنس کا وقوع اس کی کثرت اور وسعت کی وجہ سے اور نوع میں جنس کے متحقق ہونے کی وجہ سے یقینی ہوتا ہے کیونکہ نوع اپنے ماتحت سب چیزوں کو شامل نہیں ہوتی جبکہ جنس اپنے ماتحت سب چیزوں کو شامل ہوتی ہے

☆اور لفظ السیئۃ کو لفظِ مضارع اور ان کے ساتھ لایا گیا ہے، اور لفظِ السیئۃ حسنہ مطلقہ کی طرف نسبت کرتے ہوئے نادر اور قلیل الوقوع ہے اسی وجہ سے لفظِ السیئۃ کو نکرہ لایا گیا ہے تاکہ وہ قلت کے معنی پر دلالت کرے

سوال: کیا ان وقوع شرط میں جزم پر دلالت کرتا ہے؟

جواب: جی ہاں! بعض صورتوں میں ان وقوع شرط میں جزم پر دلالت کرتا ہے اور وہ صورتیں درج ذیل ہیں

1 مخاطب کو وقوع شرط کا یقین ہو لیکن وہ خود کو جاہل کے مرتبے میں اتار کر کلام کو شک کے مرتبے میں ان کے ساتھ استعمال کرتا ہے

مثلاً: جب کسی غلام سے اس کے آقا کے بارے میں سوال کیا جائے "ھل ھو فی الدار؟" اور وہ غلام آقا کے گھر میں ہونے کو یقینی طور پر جانتے ہوئے بھی کہے "ان کان فیھا اُخبرک" (اگر آقا گھر میں ہوا تو میں تمہیں خبر دوں گا) گویا وہ آقا کے خوف کی وجہ سے خود کو جاہل کے مرتبے میں اتار رہا ہے

2 متکلم کو وقوع شرط کا یقین ہو لیکن مخاطب کو یقین نہ ہو تو متکلم مخاطب کے اعتقاد کے مطابق کلام کو شک کے مرتبے میں ان کے ساتھ استعمال کرتا ہے

مثلاً: جو شخص تیری تکذیب کرے تو اسے یوں کہے "ان صدقتُ فماذا تفعل" (اگر میں سچا ہوں تو تو کیا کرے گا)

3 مخاطب کو وقوع شرط کا علم ہو لیکن وہ اپنے علم کے تقاضے کے مطابق عمل نہ کرے تو متکلم مخاطب کو جہالت کے مرتبے میں اتار کر

کلام کو شک کے مرتبے میں اتار کران کے ساتھ استعمال کرتا ہے

مثلاً: تمہارا اس شخص کو کہنا جو اپنے باپ کو ایذاء دے "ان کان اُباک فلا تؤذہ" (اگر وہ تیرا والد ہے تو تو اسے ایذاء نہ دے)

4 مخاطب کو وقوع شرط پر عار دلانے کے لیے اور یہ بتانے کے لیے کے تجھ سے وقوع شرط ہو رہا ہے اور تو اس کا اعتقاد بھی رکھتا ہے جبکہ مقام ان امور کے منافی ہے اور مقام اس بات کا تقاضہ کرتا ہے کہ وقوع شرط محال کے درجے میں ہو یعنی وقوع شرط واقع ہونے کی صلاحیت نہیں رکھتی مگر طریقہ فرض پر جیسا کہ محال کو فرض کر لیا جائے غلبے کے لیے یا مخاطب کو خاموش کرانے کے لیے یا مبالغے کے لیے

مثلاً: اَفَنَضۡرِبُ عَنۡکُمُ الذِّکۡرَ صَفۡحًا اَنۡ کُنۡتُمۡ قَوۡمًا مُّسۡرِفِیۡنَ

ترجمہ: تو کیا ہم تم سے قرآن کا نزول اس لئے روک دیں کہ تم لوگ حد سے بڑھنے والے ہو؟۔

یہ آیت وقوع شرط پر عار دلانے کی مثال اس وقت ہو گی جب ان حضرات کی قراءت کو اختیار کیا جائے جنھوں نے "ان کنتم" میں ان کو کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے کیونکہ اس وقت یہ شرطیہ ہو گا اور اس کا جواب محذوف ہو گا، تقدیری عبادت یوں ہو گی "ان کنتم قوما مسرفین فنضرب عنکم الذکر"

مذکورہ صورت کی وضاحت یہ ہے کہ یوں فرمایا گیا اگر تم مسرف (حد سے بڑھنے والے) اور اللہ کی کتاب کا استہزاء کرنے والے ہو تو کیا ہم تم کو چھوڑ دیں اور قرآن اور جو کچھ اس میں ہے کو روک لیں

☆ یہاں کفار کا حد سے بڑھنا اگرچہ قطعی ہے مگر کفار کو عار دلانے کے لیے کلام کو فرض و تقدیر کے طور پر شک کے مرتبے میں اتار کر ان کے ساتھ استعمال کیا گیا جیسا کہ محالات کو فرض کیا جاتا ہے

سوال: شارح نے فرمایا کفار کا حد سے بڑھنا محال کے مرتبے میں ہے اور محال اس چیز کو کہتے ہیں جس کا عدمِ وقوع یقینی ہو اور پیچھے یہ بات گزر چکی کہ کلمہ "ان" اس جگہ استعمال ہوتا ہے جہاں وقوع شرط اور عدم وقوع شرط دونوں کا یقین نہ ہو بلکہ دونوں کا احتمال ہو پس جب یہ بات ہے تو کفار کے حد سے بڑھنے کو محال کے مرتبے میں بیان کرنے کے لیے کلمہ "ان" کو استعمال نہیں کرنا چاہیے تھا

جواب: محال کا عدم وقوع چونکہ یقینی ہے اس لیے اصل کا اعتبار کرتے ہوئے محال کلمہ ان کا محل نہیں ہے یعنی محال کو بیان کرنے کے

لیے کلمہ ان استعمال نہیں ہوتا لیکن کبھی کبھار محال کو مشکوک کے مرتبے میں اتار کر کلمہ ان کے ساتھ بیان کیا جاتا ہے تاکہ مخاطب کی بھاگ کو ڈھیلا کرکے اور اس پر نرمی کا معاملہ کرتے ہوئے اسے خاموش اور عاجز کیا جائے

جیسا کہ اللہ پاک کا فرمان : قُلْ اِنْ کَانَ لِلرَّحْمٰنِ وَلَدٌ فَاَنَا اَوَّلُ الْعٰبِدِیْنَ

ترجمہ : فرما دیجئے کہ اگر رحمن کے لیے کوئی بیٹا ہوتا تو سب سے پہلے میں اس کی عبادت کرنے والا ہوتا

مذکورہ مثال میں اللہ پاک کے لیے بیٹا ہونا محال ہے لیکن اس محال کو مشکوک کے مرتبے میں اتارا گیا ہے

5 غیر متصف بالشرط کو متصف بالشرط پر غلبہ دینے کے لیے کلام کو شک کے مرتبے میں اتار کر کلمہ ان کے ساتھ استعمال کیا جاتا ہے

جیسا کہ زید کا کھڑا ہونا قطعی ہے اور عمرو کا کھڑا ہونا قطعی نہیں ہے، پس ان دونوں کے لیے کہا جائے "ان قمتما کان کذا"

اسی طرح شک کرنے والے مخاطین کے بارے میں اللہ کا فرمان "وَاِنْ کُنْتُمْ فِیْ رَیْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰی عَبْدِنَا"

ترجمہ : اگر تمہیں اس کتاب کے بارے میں کوئی شک ہو جو ہم نے اپنے خاص بندے پر نازل کی ہے

☆اس مثال میں دو احتمال ہیں

1 اس آیت میں (ان) کو مخاطب کو عار دلانے کے لیے استعمال کیا گیا تاکہ انہیں احساس کرایا جائے کہ یہ شرط اصل میں صرف فرض کے مرتبے میں ہونی چاہیے تھی لیکن یہاں تو شرط واقع ہو رہی ہے

2 اس آیت میں غیر مرتابین (شک نہ کرنے والوں) کو مرتابین (شک کرنے والوں) پر غلبہ دینے کے لیے ان کو مقام جزم میں استعمال کیا گیا کیوں کہ مخاطین میں ایسے بھی لوگ تھے جو حق کو پہچانتے تھے مگر بغض کی وجہ سے انکار کرتے تھے تو ان سب کو شک کرنے والا بنا دیا

اعتراض : عہد رسالت میں بعض کفار کا قرآن کے بارے میں شک قطعی تھا اور بعض کا قطعی نہیں تھا جن کا شک قطعی نہیں تھا ان کا انکار صرف بغض و عناد کی وجہ سے تھا، یہاں غیر مرتابین کو مرتابین پر غلبہ دیا گیا تو غلبہ دینے کی وجہ سے شک کا واقع نہ ہونا یقینی ہو گیا گویا کہ یہ مقام جزم ہے اور ان کا مقام جزم میں استعمال درست نہیں ہے کیونکہ ان شک و تردد پر دلالت کرتا ہے

جواب : یہاں ان کا استعمال صرف تغلیب کے طور پر درست نہیں ہے کیونکہ جب تمام کفار کو غیر مرتابین کے مرتبے میں اتار دیا گیا تو

شرط کا واقع نہ ہونا یقینی ہو گیا، یہاں ان کو فرض و تقدیر کے طور پر استعمال کیا گویا جیسے محال چیز کو فرض کر لیا جاتا ہے ویسے ہی یہاں عدم وقوع شرط کو خاموش کروانے اور الزام عائد کرنے کے لیے فرض کیا گیا ہے

1 مثلاً: فَاِنْ اٰمَنُوْا بِمِثْلِ مَاۤ اٰمَنْتُمْ بِهٖ فَقَدِ اهْتَدَوْا

ترجمہ: پھر اگر وہ بھی یونہی ایمان لے آئیں جیسا تم ایمان لائے ہو جب تو وہ ہدایت پا گئے)

مذکورہ مثال میں اسلام کا حق ہونا اور دیگر مذاہب کا حق نہ ہونا یقینی ہو گیا لیکن پھر بھی کلام کو شک کے مرتبے میں اتار کر کلمہ ان کے ساتھ کیا گیا

2 مثلا: قُلْ اِنْ كَانَ لِلرَّحْمٰنِ وَلَدٌ فَاَنَا اَوَّلُ الْعٰبِدِيْنَ

ترجمہ: فرما دیجئے کہ اگر رحمن کے لیے کوئی بیٹا ہوتا تو سب سے پہلے میں اس کی عبادت کرنے والا ہوتا

مذکورہ مثال میں بھی اگرچہ اللہ پاک کے لیے اولاد کا نہ ہونا یقینی ہے لیکن پھر بھی کلام کو شک کے مرتبے میں اتار کر کلمہ ان کے ساتھ استعمال کیا گیا

اعتراض: ان کا ماضی پر داخل ہونا اسے استقبال کے معنی میں کر دیتا ہے لہذا شک کا وارد ہونا یہ مستقبل میں ہوا اور مستقبل شک پر دلالت کرتا ہے لہذا ان کا استعمال درست ہے

جواب: یہاں پر شک کا وارد ہونا مستقبل میں نہیں ہو رہا کیونکہ ان اس ماضی کو مضارع کے معنی میں کرتا ہے جو کان نہ ہو اسی وجہ سے کوفیوں نے یہ گمان کیا کہ ان، اذ کے معنی میں ہے

☆ اور امام مبرد و زجاج نے کہا کہ کان کے ماضی پر دلالت کرنے میں قوی ہونے کی وجہ سے ان، کان کو مستقبل کے معنی میں نہیں کرتا

سوال: تغلیب کسے کہتے ہیں؟ مع مثال بیان کریں

جواب: دو معلوم چیزوں میں سے ایک کو دوسری پر لفظوں کے اطلاق کے اعتبار سے ترجیح دینے کو تغلیب کہتے ہیں

☆ تغلیب کا باب بہت وسیع ہے اور یہ بہت سارے فنون میں جاری ہوتا ہے

مثلاً: اللہ پاک کا فرمان: "وَكَانَتْ مِنَ الْقٰنِتِيْنَ"

صفتِ قنوت مذکر و مؤنث دونوں میں مشترک ہے لیکن لفظِ قانتین صرف مذکر کے کے لیے جاری ہوتا ہے لیکن یہاں مونث کے لیے استعمال کیا گیا ہے

اور اسی طرح اللہ پاک کا فرمان: "بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُوْنَ" مذکورہ مثال میں فرمان الٰہی میں معنی کی جانب کو لفظ کی جانب پر غلبہ دیا گیا ہے، کیونکہ قیاس غیب کے لیے یاء (یجھلون) پڑھنے کا تقاضہ کر رہا ہے کیونکہ یجھلوں کی ضمیر قوم کی طرف لوٹ رہی ہے اور وہ غائب ہے اس کے اسم ظاہر ہونے کی وجہ سے

لیکن معنوی طور پر یہ مخاطبین سے تعبیر ہے تو خطاب کی جانب کو غیب کی جانب پر غلبہ دیا گیا کیونکہ مثال میں انتم مبتداء ہے اور قوم خبر ہے اور خبر مبتداء پر محمول ہے

اعتراض: خطاب کی جہت کو غیب کی جہت پر کیوں مقدم کیا گیا اور معنی کی جیت کو ہی لفظ کی جہت پر کیوں مقدم کیا گیا اس کے برعکس کیوں نہیں کیا؟

جواب: خطاب کی جہت غیب کی جہت سے اشرف و اعلی ہوتی ہے اور معنی کی جہت لفظ کی جہت سے قوی اور اشرف ہوتی ہے اس لیے انہیں مقدم کیا گیا

سوال: کیا ابوان، قانتین کی طرح ہے؟

جواب: جی نہیں! ابوان اگرچہ تغلیب کے باب سے ہے لیکن یہ قانتین کی طرح نہیں ہے کیونکہ لفظ الأبوۃ اب اور ام میں مشترک نہیں ہے جیسے قانین مشترک ہے، قانتین والی مثال میں ظاہراً مختلف ہونا ہیت اور صیغے کی جہت ہے ہے اور ابوان والی مثال میں ہیت، صیغے اور مادے کے اعتبار سے ہے

سوال: تغلیب کی چند اور مثالیں بیان کریں

جواب: تغلیب کی چند اور مثالیں درج ذیل ہیں

1العمرین:

یہ حضرت ابو بکر و عمر فاروق رَضِیَ اللہ عَنْہُمَا کے لیے ہے

2القمرین:

یہ چاند و سورج کے لیے ہے

سوال: دو متصاحبین یا دو متشابہین چیزوں میں سے ایک کو دوسری پر کیسے غلبہ دیا جاتا ہے؟

جواب: دو متصانین یا دو متشابہین چیزوں میں سے ایک کو دوسری پر اس طرح غلبہ دیا جاتا ہے کہ دوسرے اسم کو پہلے اسم کے ساتھ ملا دیا جاتا ہے پھر اس اسم کی تثنیہ لائی جاتی ہے اور اس سے ان دونوں کا قصد کیا جاتا ہے

سوال: ان اور اذا کے بعد آنے والے جملے کیا ہونگے؟ مع مثال بیان کریں

جواب: ان اور اذا چونکہ جزا کے مضمون کے حصول کو زمانہ مستقبل میں شرط کے مضمون کے حصول پر معلق کرنے کے لیے آتے ہیں اور یہ مستقبل کے معنی میں ہوتے ہیں لہذا ان کے بعد آنے والے دونوں جملے (شرط و جزا) فعلیہ واستقبالیہ ہوں گے کیونکہ شرط کے حصول کو زمانہ مستقبل میں فرض کیا گیا لہذا اس کا حالیہ، ماضیہ اور اسمیہ ہونا ممتنع ہے اور جزا کا فعلیہ اور استقبالیہ ہونا اس لیے ضروری ہے کہ جزا کے حصول کو زمانہ مستقبل میں شرط کے حصول پر معلق کیا گیا اگر جزا کو ماضی لائیں تو شرط جو کہ مستقبل پر معلق ہے اور جزا کے اس پر معلق ہونے کی وجہ سے یہ درست نہیں ہو گا اور اس صورت میں موجودہ زمانے میں حاصل شدہ چیز کو مستقبل میں حاصل ہونے والی چیز پر معلق کرنا لازم آئے گا

مثلاً: ان دخلت الدار فانت حر

یہاں زمانہ تکلم میں غلام کی آزادی کو زمانہ مستقبل میں گھر میں داخل ہونے پر معلق کیا گیا ہے

سوال: کس صورت میں اوپر بیان کردہ قاعدے کی مخالفت کرنا درست ہے؟

جواب: اوپر بیان کیے گئے قاعدے (ان اور اذا کے بعد آنے والے دونوں جملے (شرط و جزا) فعلیہ استقبالیہ ہوں گے) کی مخالفت کرنا درست نہیں ہے لیکن اگر ظاہری فائدہ حاصل ہو رہا ہو تو ان دونوں (شرط و جزا) یا ان میں سے ایک کو ماضی لانا درست ہے لیکن اس

وقت بھی یہ مستقبل کے معنی میں ہی ہو گا

یہاں تک کہ ہمارا قول(ان اکرمتنی الآن فقد اکرمتک اُمس)اس کا معنی یہ ہے کہ اگر تو میری تعظیم کو آج شمار کرے گا تو میں کل تمہاری تعظیم کو بھی شمار کروں گا

سوال: کیا کبھی(ان) کو کان کے ساتھ ماضی میں بھی استعمال کیا جاتا ہے؟

جواب: جی ہاں! کبھی کبھار(ان) کو کان کے ساتھ غیر مستقبل یعنی ماضی میں قیاساً اور عام طور پر استعمال کیا جاتا ہے

جیسا کہ اللہ پاک کا فرمان: "وان کنتم فی ریب" میں اِنْ کان ماضی کے ساتھ استعمال ہوا ہے

سوال: کیا کبھی اِنْ صرف وصل اور ربط کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے؟

جواب: جی ہاں! کبھی کبھار اِنْ مقام تاکید میں واو حالیہ کے بعد صرف وصل اور ربط کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے نا کہ شرط کے لیے

مثلاً:(زید وان کثرمالہ بخیل)اور(عمرو وان اعطی جاھا لئیم)

مذکورہ دونوں مثالوں میں اِنْ واو حالیہ کے بعد صرف وصل اور ربط کے لیے آیا ہے

"ان دونوں صورتوں کے علاوہ ماضی میں ان کا استعمال قلیل ہے یعنی ان دونوں صورتوں کے علاوہ ماضی میں اِنْ کا استعمال بہت کم پایا جاتا ہے جیسا کہ شاعر کا قول: فیا وطنی اِن فاتنی بک سابق من الدھر فلینعم لساکنک البال

ترجمہ: اے میرے وطن! اگرچہ زمانے کے گزرنے نے میرا تجھ میں رہنا فوت کر دیا پس تیرے اندر رہنے والوں کے لیے خوشحالی کی خوشخبری ہے

☆ مذکورہ شعر میں فات ماضی کے ساتھ اِنْ کو استعمال کیا گیا ہے

پھر اپنے اس قول سے لفظِ فعلِ مستقبل سے عدول کرنے کے نقطے(شرط و جزا کو ظاہری فائدے کے حصول کے وقت ماضی لائیں گے لیکن اس وقت بھی یہ مستقبل کے معنی میں ہی ہو گا) کی تفصیل کی طرف اشارہ کیا:

- جیسا کہ غیر حاصل چیز کو حاصل کے مرتبے میں ظاہر کرنے کے لیے لفظاً فعل مضارع سے فعل ماضی کی طرف عدول کرنا قوت اسباب کی وجہ سے

مثلاً: اِنْ اشتریت کان کذا

اشتراء کے اسباب منعقد ہونے کی وجہ سے

یعنی ایک شخص کسی چیز کو خریدنے کے تمام اسباب پر قدرت رکھتا ہے لیکن اس کے باوجود وہ چیز کو نہ خریدے تو پھر اسے یہ تصور کرنا کہ اس نے اس چیز کو خرید لیا ہے گویا یہاں غیر حاصل چیز کو حاصل شدہ چیز کے مرتبے میں ظاہر کیا گیا

- یا اس چیز کے وقوع کے لیے جو واقعے کے مرتبے میں ہے

☆ اس جملے کا اور اسی طرح اس کے بعد آنے والے تمام معطوفات کا قوۃ الاسباب پر عطف ہے اور یہ تمام غیر حاصل کو حاصل کے مرتبے میں ظاہر کرنے کے لیے علتیں ہیں

☆ اور جس نے یہ گمان کیا کہ ان تمام کا عطف (أبراز غیر الحاصل فی معرض الحاصل یعنی غیر حاصل چیز کو حاصل کے مرتبے میں ظاہر کرنے) کے اوپر معطوف ہیں تو ان سے واضح غلطی ہوئی

- یا وقوع شرط میں تفاؤل (نیک فعالی) یا اظہار رغبت کے لیے غیر حاصل چیز کو حاصل شدہ چیز کے مرتبے میں ظاہر کیا جاتا ہے

مثلاً: (ان ظفرت بحسن العاقبۃ) فھو المرام

یہ عبارت تفاؤل (نیک فعالی) اور اظہار رغبت دونوں کی مثال بننے کی صلاحیت رکھتی ہے، اگر ظفرتُ پڑھیں تو نیک فعالی اور اگر ظفرتَ پڑھیں تو اظہار رغبت کی مثال بنے گی

☆ اظہارِ رغبت میں کچھ خفا تھا تو مصنف نے اس کی طرف اپنے اس قول سے اشارہ کیا: کسی چیز کو طلب کرنے والا کہ جب اس کی اس چیز کو حاصل کرنے میں رغبت بڑھ جاتی ہے تو اسے اسی کو حاصل کرنے کا خیال ہوتا ہے پس اسے لفظ ماضی کے ساتھ تعبیر کر دیا جاتا ہے

ماضی کو اظہار رغبت کے لیے اِنْ کے ساتھ استعمال کرنے کی مثال اللہ پاک کے فرمان میں بھی وارد ہوئی ہے: وَلَا تُكْرِهُوا فَتَيَاتِكُمْ عَلَى الْبِغَاءِ (اِنْ اَرَدْنَ تَحَصُّنًا) یہاں اللہ پاک نے اِنْ یُرِدْنَ نہیں کہا بلکہ اِنْ اَرَدْنَ کہا

یعنی اِنْ کو مضارع کے ساتھ استعمال نہیں کیا بلکہ ماضی کے ساتھ استعمال کیا

اعتراض: یہاں اکراہ سے نہی کو پاکدامی کے ارادے پر معلق کیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر وہ عورتیں پاکدامنی کا ارادہ کریں تو

ان کو زنا پر مجبور کرنا درست ہے حالانکہ ایسا نہیں

جواب: جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ شرط کے ساتھ مقید کرنا شرط کے نہ پائے جانے کے وقت حکم کی نفی پر دلالت کرتا ہے تو وہ لوگ یہ بات اس وقت کہتے ہیں جب شرط کے لیے کوئی دوسرا فائدہ ظاہر نہ ہو اور یہاں فائدہ پایا جا رہا ہے اور وہ مجبور کرنے سے نہی میں مبالغہ کرنا ہے یعنی جب وہ لونڈیاں پاکدامنی کا ارادہ رکھتی ہوں ہوں تو آقا کا زیادہ حق ہے کہ وہ ان کو روکے

اس کا ایک اور جواب بھی ہے وہ یہ کہ انتقاء شرط پر حکم کی دلالت ظاہر کے اعتبار سے ہے اور اجماع قطعی یہ ہے کہ مطلقاً اُن لونڈیوں کو مجبور کرنا حرام ہے، اجماع ظاہر کے خلاف ہے یہ تسلیم شدہ اصول ہے کہ ظاہر اجماع قطعی کے معارض ہو تو ظاہر کا اعتبار نہیں ہو گا

سوال: تعریض کسے کہتے ہیں؟ مع مثال بیان کریں

جواب: فعل کی نسبت ایک چیز کی طرف کرنے اور مراد اس کا غیر لینے کو تعریض کہتے ہیں

مثلاً: اللہ پاک کا فرمان: وَلَقَدْ اُوْحِیَ اِلَیْکَ وَاِلَی الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِکَ لَئِنْ اَشْرَکْتَ لَیَحْبَطَنَّ عَمَلُکَ

ترجمہ: اور بیشک تمہاری طرف اور تم سے اگلوں کی طرف یہ وحی کی گئی ہے کہ اگر تو نے شرک کیا تو ضرور تیرا ہر عمل برباد ہو جائے گا

یہاں مخاطب نبی کریم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم ہیں اور آپ کا شرک نہ کرنا یقینی ہے لیکن لفظِ ماضی کے ساتھ غیر حاصل اشتراک کو حاصل کی جگہ میں ظاہر کرنے کے لیے فرض و تقدیر کے طریقے پر لایا گیا ہے ان لوگوں کو تعریض کرنے کے لیے جن سے شرک صادر ہوا اس طرح کہ ان کے اعمال برباد ہو جائیں گے

جیسے کہ جب کوئی تمہیں گالی دے اور تم اسے کہو (واللہ ان شتمني الامیر لأضربنّه)

اعتراض: علامہ خلخالی صاحب علامہ سکاکی پر اعتراض کرتے ہوئے کہتے ہیں تعریض کہتے ہیں فعل کی نسبت اس کی طرف کرنا جس سے فعل کا صدور ممتنع ہو چاہے فعل کی نسبت ماضی سے ہو یا مضارع سے، تو لا محالہ طور پر اس کا صدور اس کے غیر سے صادر ہو گا اب فعل کی نسبت اس کے غیر کی طرف کی جائے گی لہذا امام سکاکی کا یہ کہنا کہ تعریض فعل ماضی سے ہو گی یہ کہنا درست نہیں

جواب: ہم یہ بات تسلیم ہی نہیں کرتے کہ فعل کی نسبت اس کی طرف کرنا جس سے فعل کا صدور ممتنع ہو چاہے فعل کی نسبت ماضی ہو یا مضارع بلکہ تعریض ہوتی ہی تب ہے جب ان کا فعل ماضی کے ساتھ استعمال ہو کیونکہ اِنْ غیر حاصل کو حاصل کا مرتبے میں ظاہر کرنے

کے لیے آتا ہے اور غیر حاصل کو حاصل کے مرتبے میں ظاہر کرنا خلافِ اصل ہے اور خلافِ اصل کے لیے کسی نقطے کا ہونا ضروری ہے اور وہ تعریض ہے جبکہ اگر مضارع کو اِنْ کے ساتھ استعمال کریں تو یہ اپنے اصل ہونے کی وجہ سے تعریض واقع نہیں ہوتا لھذا علامہ خلخالی کا علامہ سکاکی پر اعتراض وارد نہیں ہوتا

اعتراض: آپ نے پیچھے جو کلام کیا کہ غیر حاصل کو حاصل کے مرتبے میں اتارا جاتا ہے قوت اسباب کی وجہ سے، نیک فعالی کی وجہ سے، اظہار رغبت کی وجہ سے وہ سارا کلام بھی تو علامہ سکاکی کا تھا آپ نے وہاں ان کا نام ذکر نہیں کیا تھا، تعریض میں ان کا نام کیوں ذکر کیا؟

جواب: تعریض میں کچھ خفا و ضعف تھا تو عموماً مصنفین کی یہ عادت ہے کہ جس چیز میں کچھ خفا ہو اسے اپنی طرف منسوب نہیں کرتے اسی لیے علامہ سکاکی کا نام ذکر کیا اور خفا و ضعف علامہ خلخالی کا علامہ سکاکی کے کلام پر کلام کرنا ہے

☆ پیچھے جو آیت مبارکہ (لَئِنْ اَشْرَکْتَ) تعریض کی مثال کے طور پر بیان کی وہ مطلقاً تعریض کی مثال نہیں ہے لیکن اب تعریض کی مطلق مثال بیان کی

وَمَالِیَ لَآ اَعْبُدُ الَّذِیْ فَطَرَنِیْ وَاِلَیْهِ تُرْجَعُوْنَ

ترجمہ: اور مجھے کیا ہے کہ میں اس کی عبادت نہ کروں جس نے مجھے پیدا کیا اور اسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے

☆ یہاں حضور عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام کا اپنے سے عبادت کی نفی کرنا تعریض ہے کہ اس سے مراد مخاطبین ہے، اور یہاں قرینہ (والیہ ترجعون) ہے کیونکہ اگر یہاں تعریض نہ ہوتی تو پھر یہاں (والیہ ارجع) کہنا مناسب تھا جو کہ سیاق کے موافق تھا

وجہ حسن:

حضور عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام نے کفار کو جو کہ اللہ و رسول کے دشمن ہیں اس طریقے پر اسلام کی دعوت دی کہ یہ ان کے غضب کا سبب نہیں بنتا اور وہ یہ ہے کہ حضور عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام نے صراحتاً باطل کی نسبت ان کی طرف نہیں کی یہ طریقہ حق کو قبول کرنے پر مددگار ہے کہ اسی میں اخلاص کی نعمت ہے

سوال: لو کس چیز کے لیے آتا ہے؟ نیز یہ کس چیز کو کس پر معلق کرنے کے لیے آتا ہے؟

جواب: لو بھی شرط کے لیے آتا ہے اور یہ جزا کے مضمون کے حصول کو شرط کے مضمون کے حصول پر معلق کرنے کے لیے آتا ہے وہ

شرط جسے زمانہ ماضی میں فرض کیا گیا ہو باوجود اس کے کہ شرط کا منتفی ہونا قطعی ہو تو جب شرط منتفی ہو گی تو جزا بھی منتفی ہو گی لہذا نتیجہ یہ نکلا کہ انتفائے شرط کے وقت انتفاع جزا بھی پایا جائے گا جیسا کہ تیرا کہنا ہے: لو جئتنی لا کرمک

یہاں اکرام کو آنے کے ساتھ معلق کیا گیا، اس بات کی قطعیت کے ساتھ کہ نہ آنا لازم ہے لہذا شرط جزا کے نہ پائے جانے کا سبب ہو گی اور جزاء مسبب ہو گی تو انتفائے اول سے انتفائے ثانی لازم ائے گا یہ جمہور کے نزدیک مشہور رہے

☆ علامہ ابن حاجب کہتے ہیں کہ آپ نے جو بات کی کہ اول سبب اور ثانی مسبب ہے درست نہیں، ممکن ہے کہ انتفائے سبب سے انتفائے مسبب پایا جائے بایں طور کہ ایک چیز کے کئی اسباب ہوں وہ ایک سبب نا پایا جا رہا ہو تو وہ دوسرے سبب میں پائی جائے بلکہ معاملہ اس کے بر عکس ہے کہ لو انتفائے مسبب سے انتفائے سبب کے لیے آتا ہے اس پر دلیل آیت قرانیہ ہے (لو کان فیھما آلھۃ آلا اللہ لفسدتا)

یہاں زمین و آسمان کا تباہ و برباد نہ ہونا عدم تعدد الہ (معبودوں کے زیادہ نہ ہونے) کی وجہ بن رہی ہے، زمین و آسمان میں فساد نہ ہونا ایسی چیز ہے جس کا مشاہدہ کیا جا سکتا ہے جبکہ تعدد الہ (معبودوں کا زیادہ نہ ہونا) مشاہدے سے معلوم نہیں ہوتا، تو مجہول پر معلوم سے استدلال کیا جاتا ہے نہ کہ معلوم پر مجہول سے استدلال کیا جاتا ہے لہذا نتیجہ یہ نکلا کہ جو بات جمہور کہہ رہے ہیں وہ درست نہیں بلکہ یہ درست ہے

☆ متأخرین بلغاء کہتے ہیں کہ علامہ ابن حاجب کا قول درست ہے کہ انتفاع مسبب انتفاع سبب کی وجہ ہے ایک تو اس بات کی وجہ سے جو علامہ ابن حاجب نے بیان کی اور دوسرا اس لیے کہ شرط ملزوم ہے اور جزا لازم ہے تو انتفاع لازم سے انتفائے ملزوم واجب آتا ہے کیونکہ لازم عام ہے اور ملزوم خاص ہے تو خاص کے وقت عام کا منتفع ہونا ضروری نہیں لیکن عام کے منتفی ہونے کے وقت خاص کا منتفی ہونا ضروری ہے

☆ علامہ سکاکی صاحب کہتے ہیں کہ علامہ ابن حاجب نے مشہور اہل عرب کے قول (پہلے کا انتفاء دوسرے کی وجہ سے ہے) پر جو اعتراض کیا یہ کم غور و فکر کی وجہ سے کیا کیونکہ کلمہ لو دو معنی کے لیے آتا ہے

1 استدلال عقلی کے لیے

2 ترتیب خارجی کے لیے

استدلال عقلی کے لیے اس وقت آتا ہے جب جزا کا منتفی ہونا معلوم ہو اور شرط کا منتفی ہونا معلوم نہ ہو

ترتیب خارجی کے لیے اس وقت آتا ہے جب دونوں کا منتفی ہونا تو معلوم ہو لیکن خارج میں ثانی (جزا) کے لیے علت معلوم نہ ہو اس وقت انتفائے اول انتفائے ثانی کے استدلال کے لیے آتا ہے لہذا ابن حاجب نے جو اعتراض کیا ہے وہ درست نہیں ہے

علامہ ابن حاجب نے جو بات سمجھی وہ اہل عرب کی مراد ہی نہیں

☆اس سے مراد یہ ہے کہ خارج میں انتفائے ثانی انتفائے اول کی وجہ سے ہے جیسا کہ اللہ پاک کا فرمان: (لو شاءاللہ لھدکم)

یہاں اللہ پاک کا نہ چاہنا خارج میں ہے لہذا ان کو ہدایت بھی نہیں ملی

کیا تم نہیں دیکھتے کہ اہل عرب کے نزدیک لولا اول کے پائے جانے کی وجہ سے دوسرے کے نہ پائے جانے کے لیے آتا ہے

مثلاً: (لولا علی لھلک عمر)

اس سے مراد یہ ہے کہ علی کا وجود سبب ہے عمر کے عدم ہلاک کا اس سے یہ مراد نہیں کہ علی کا وجود عمر کے عدم ہلاک پر دلالت کرتا ہے،

یہ ہمارے اس قول کی مثل درست ہے: (لو جِئتَنِي لَأكرمتك لكنك لم تجِئ) یعنی اس کا نہ آنا سبب ہے اکرام نہ کرنے کا

حماسی نے کہا:

وَلَوْ طَارَ ذُوْ حَافِرٍ قَبْلَهَا　　　لَطَارَتْ وَلَكِنَّهُ لَمْ يَطِرِ

ترجمہ: اگر اس سے پہلے دیگر گھوڑے اڑتے تو یہ بھی اڑتا لیکن وہ نہیں اڑے یعنی اس کا نہ اڑنا سبب ہے کہ اس سے پہلے خارج میں گھوڑے نہیں اڑے

اور معری نے کہا:

وَلَوْ دَامَتِ الدَّوْلَاتُ كَانُوْا كَغَيْرِهِمْ　　　رَعَايَا وَلَكِنْ مَا لَهُنَّ دَوَامُ

ترجمہ: اگر بادشاہوں کو دوام ہوتا تو جو اس کے غیر ہیں وہ رعایا ہوتے لیکن بادشاہوں کے لیے دوام نہیں ہے

جبکہ اہل مناطقہ کہتے ہیں کہ ان اور لو یہ کلمات، کلماتِ لزوم میں سے ہیں وہ ان کا استعمال قیاس میں نتائج کے علوم کے حصول کے لیے کرتے ہیں

ان کے نزدیک لواس بات کے لیے ہے کہ ثانی کے منتفی ہونے کا علم پہلے کے انتفاع کے لیے ہے کیونکہ لازم کے انتفاع کے ساتھ ملزوم کا انتقال ضروری ہے

اور اللہ پاک کا فرمان: لو کان فیھما آلھۃ آلا اللہ لفسدتا

ان کے مذہب کے مطابق ہے کہ اس میں عدم فساد، عدم تعدد الہ کا سبب ہے، وہ اس آیت سے رب کی وحدانیت پر استدلال کر رہے ہیں

یہ آیت اگرچہ منطقیوں کے مذہب کے مطابق نازل ہوئی لیکن اس کا فائدہ اس وقت زیادہ ہے جب اسے اہل عرب کے مذہب کے مطابق استعمال کیا جائے

سوال: لوجو کہ شرط فی الماضی آتا ہے اس کے ساتھ آنے والے دونوں جملوں کے لیے کتنی باتیں ضروری ہیں؟

جواب: لوجو کہ شرط فی الماضی کے لیے آتا ہے لہذا اس کے ساتھ آنے والے دونوں جملوں کے لیے دو باتیں ضروری ہیں

1 عدم ثبوت (شرط کے حصول کا نہ ہونا یعنی اسمی نہ ہونا)

2 دونوں جملوں کا ماضی ہونا

اگر لو کے ساتھ آنے والا جملہ اسمی ہوگا تو ثبوت و حصول والے معنی پر دلالت کرے گا جبکہ لو ماضی کو معلق کرنے کے لیے آتا ہے اور تعلیق اور ثبوت دونوں منافی چیزیں ہیں لہذا ان کا جمع ہونا ممکن نہیں

اور ماضی ہونا اس لیے ضروری ہے کہ استقبال ماضی کے منافی ہے لہذا اس کے دونوں جملوں کے فعل ماضی ہونے سے اعراض نہیں کیا جائے گا

☆امام مبرد کے نزدیک لو زمانہ مستقبل میں قلت کے ساتھ اِنْ کی طرح استعمال ہوتا ہے

جیسا کہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام کے دو فرامین:

"اطلبوا العلم ولو بالصین"

ترجمہ: علم حاصل کروں اگرچہ تمہیں چین جانا پڑے

اور "انی اباھی بکم الامم یوم القیامہ ولو بالسقط"

ترجمہ: میں قیامت کے دن کثرت امت کی وجہ سے فخر کروں گا

ان دونوں مثالوں میں دیکھئے کہ دونوں احادیث میں لو زمانہ مستقبل کے ساتھ استعمال ہوا ہے

سوال: لو کا مضارع پر داخل ہونے کس وجہ سے ہو گا؟

جواب: لو کا مضارع پر داخل ہونا کسی نقطے کی وجہ سے ہی ہو گا

لو کے خلافِ قیاس مضارع پر داخل ہونے کی پہلی صورت:

مثلاً: (وَاعْلَمُوْا اَنَّ فِيْكُمْ رَسُوْلَ اللّٰهِ لَوْ يُطِيْعُكُمْ فِيْ كَثِيْرٍ مِّنَ الْاَمْرِ لَعَنِتُّمْ)

ترجمہ: اور جان لو کہ تم میں اللہ کے رسول تشریف فرماہیں، اگر بہت سے معاملات میں وہ تمہاری بات مانیں تو تم ضرور مشقت میں پڑ جاؤ گے)

مذکورہ مثال میں لو مضارع کے ساتھ آیا یعنی ماضی سے مضارع کی طرف عدول کیا گیا لیکن معنٰی ماضی والا ہی رہے گا

☆ یہاں زمانہ ماضی میں تجدد واستمرار کو بیان کرنا مقصود ہے

مذکورہ مثال میں فعل میں استمرار بیان کرنا مقصود ہے اور وہ فعل اطاعت ہے یعنی تمہارا مشقت میں نہ پڑنا حضور عَلَیۡہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام کا تمہاری اطاعت میں استمرار کے ممتنع ہونے کی وجہ سے ہے

اس مثال میں اطاعت کے دو احتمالات ہیں

1 اطاعت

2 امتنائے اطاعت

1 جب اطاعت والا معنی ہو گا تو فعل مثبت ہو گا اور اس وقت مفہوم یہ بنے گا کہ تمہارا مشقت میں نہ پڑھنا میرے محبوب کے تمہاری اطاعت میں استمرار نہ کرنے کی وجہ سے ہے، یہ معنی اس لیے ہو گا کہ مضارع استمرارِ ثبوت پر دلالت کرتا ہے اور لو استمرار کی نفی کے لیے آتا ہے لہذا استمرار کی نفی ہے

2جب امتنائے اطاعت والا معنی ہوگا تو فعل منفی ہوگا اور اس وقت مفہوم یہ ہوگا کہ تمہارا مشقت میں نہ پڑھنا میرے محبوب کا تمہاری اطاعت نہ کرنے میں استمرار کی وجہ سے ہے

اور یہ بات خارج کے خلاف ہے کیونکہ حضور عَلَیۡہِ الصَّلٰوۃُوَالسَّلَام نے کئی معاملات میں صحابہ کرام رَضِیَ اللہ عَنۡہُم سے مشورہ طلب فرمایا اور کئی معاملات میں ان پر عمل بھی فرمایا لہذا یہ احتمال مرجوع اور پہلا احتمال راجح ہے

سوال: فعل مضارع مثبت اور فعل مضارع منفی کس چیز کا فائدہ دیتے ہیں؟

جواب: فعل مضارع مثبت استمرارِ ثبوت کا اور فعل مضارع منفی استمرارِ منفی کا فائدہ دیتا ہے ویسے ہی جیسے جملہ اسمیہ مثبتہ تاکیدِ ثبوت اور دوامِ ثبوت کا فائدہ دیتا ہے اور جملہ اسمیہ منفیہ تاکیدِ نفی اور دوامِ نفی کا فائدہ دیتا ہے نا کہ نفی تاکید اور نفی دوام کا فائدہ دیتا ہے

جیسا کہ اللہ پاک کا فرمان: (وماھم بمؤمنین) کافروں کے اس قول کے رد میں (آمنّا) بلیغ اور تاکید کے طریقے پر

اس مثال میں تاکیدِ نفی بھی ہے اور دوامِ نفی بھی ہے نا کہ نفی تاکید

یعنی ان کے ایمان کی نفی بھی ہورہی ہے اور اس میں تاکید والا معنی بھی ہے نا کہ ایمان کے دائمی ہونے کی نفی یعنی یہ نفی تاکید اور نفی دوام کے معنی میں نہیں ہے کیونکہ اس صورت میں معنی یہ ہوگا کہ ان کے ایمان کی تاکید اور دوام کی نفی ہے

فعل مضارع استمرارِ ثبوت کا فائدہ دیتا ہے

مثلاً: (اللہ یستھزئ بھم)

یہاں استہزاء اور تجدد کے استمرار کا ارادہ کرتے ہوئے (اللہ مستھزئ بھم) نہیں کہا

یعنی یہاں استمرارِ تجدد کا فائدہ لینا مقصود ہے اور وہ مضارع سے ہی حاصل ہورہا ہے

لو کے خلافِ قیاس مضارع پر داخل ہونے کی دوسری صورت:

مثلاً: (وَلَوۡ تَرٰۤی اِذۡ وُقِفُوۡا عَلَی النَّارِ)

ترجمہ: اور اگر آپ دیکھیں جب انہیں آگ پر کھڑا کیا جائے گا

مذکورہ مثال میں لفظ تَرٰی کے مخاطب کے بارے میں دو احتمال ہیں یا تو یہاں مخاطب حضور علیہ الصلوۃ والسلام کی ذات مبارکہ ہے یا

پھر ہر وہ بندہ مراد ہے جس کو رؤیت عطا کی جائے گی

اگر پہلا معنی مراد لیں یعنی اگر حضور علیہ الصلوۃ والسلام کی ذات مراد لیں تو پھر تسکین قلب مراد ہو گی اور اگر دوسرا معنی مراد لیں یعنی اگر ہر وہ بندہ مراد لیں جس کو رؤیت عطا کی جائے گی تو پھر کفار کی ذلت ور سوائی بیان کرنا مقصود ہے

وُقِفُوْا کی تین طرح کی تفاسیر ہیں

1 کفار کو دوزخ دکھائی جائے گی وہ اپنی آنکھوں سے دیکھیں گے اور اس کا معائنہ کریں گے

2 ان کو جہنم پر کھڑا کیا جائے گا اس حال میں کہ وہ اس کے اوپر کھڑے ہو کر دیکھیں گے اور جہنم ان کے نیچے ہو گی

3 ان کو جہنم میں داخل کیا جائے گا اور وہ اس کو محسوس کریں گے

اعتراض: مذکورہ مثال میں کلمہ لو تمنی کے لیے ہے، شرط کے لیے نہیں، اگر شرط کے لیے ہوتا تو اس کی جزاء مذکور ہوتی حالانکہ اس کی جزا نہیں ہے اور لو تمنی داخل ہی مضارع پر ہوتا ہے لہذا اس کو اس بات پر بطور استشہاد بیان کرنا درست نہیں

جواب: مذکورہ مثال میں کلمہ لو تمنی نہیں ہے بلکہ شرط کے لیے ہی ہے لیکن اس کی جزاء محذوف ہے گویا تقدیری عبارت یوں ہو گی: وَلَوْ تَرٰی اِذْ وُقِفُوْا عَلَی النَّارِ رَاَیْتَ اَمْرًا فَظِیْعًا

یہ حالت اگرچہ قیامت میں ہی ظاہر ہو گی لیکن اسے کلمہ لو کو مضارع کو ماضی کے معنی میں لا کر بیان کیا کیونکہ قرآن ایسی ذات کا کلام ہے کہ اس کے کلام کا خلاف نہیں ہوتا اگرچہ اس کا کلام ماضی ہو یا مضارع لیکن یہاں لو کو مضارع کو ماضی کے مرتبے میں اتارنے کے لیے استعمال کیا گیا

☆ مذکورہ مثال میں لو اور اذا کو ماضی کے ساتھ استعمال کیا گیا

یہ معاملہ مستقبل میں ہونا ہے لیکن ماضی میں تاویل کے ساتھ متحقق ہوا گویا یوں کہا گیا: تحقیق یہ معاملہ منعقد ہو چکا لیکن آپ نے نہیں دیکھا اگر آپ دیکھیں گے تو بڑا معاملہ دیکھیں گے

جیسے لو کو مضارع پر داخل کر کے ماضی کے معنی میں استعمال کیا گیا ویسے ہی اس مثال (ربما یود الذین کفروا) میں ربما کو مضارع پر داخل کیا گیا یعنی ماضی سے مضارع کی طرف عدول کیا گیا، مضارع کو ماضی کے مرتبے میں اتارنے کے لیے، کلام کے اس سے صادر ہونے کی

وجہ سے جس کے کلام کا خلاف نہیں ہوتا

☆ علامہ ابن السراج اور ابو علی "الایضاح" نامی کتاب میں فرماتے ہیں وہ ربما جس کو مائے کافہ کی وجہ سے عمل سے روک دیا گیا ہو اس کے بعد ماضی کا ہونا ضروری ہے

سوال: ربما کے بعد ماضی کا ہونا کیوں ضروری ہے؟

جواب: ربما کے بعد ماضی کا ہونا اس لیے ضروری ہے کہ ربما قلت کے لیے آتا ہے اور قلت ماضی میں ہی بیان کی جاسکتی ہے اور مذکورہ مثال میں قلت کا معنی یہ ہے کہ وہ وحشت زدہ ہوں گے کہ وہ مبحود ہو جائیں گے اور جب کبھی وہ افاقہ پائیں گے تو تمنا کریں گے کہ کاش وہ مسلمان ہوتے

سوال: کیا کبھی لو مستعارًا تکسیر یا تحقیق کے لیے آتا ہے؟

جواب: جی ہاں: یہ بھی کہا گیا ہے کہ کبھی کبھار لو مستعارًا تکسیر یا تحقیق کے لیے بھی آتا ہے

مذکورہ مثال میں لو کا مفعول محذوف ہے اور اس پر (لو کان مسلمین) دلالت کر رہا ہے اور یہاں لو آرزو کے لیے ہے یعنی یہاں لو ان کی آرزو بیان کرنے کے لیے ہے، اور جنہوں نے لو کو تمنی بنایا اور اسے حرف مصدریہ کہا پس ان کے نزدیک یردّ کا مفعول (لو کانوا مسلمین) ہے

سوال: "أولا ستحضار الصورہ" مذکورہ عبارت کا عطف کس لفظ پر ہے؟

جواب: مذکورہ عبارت کا عطف (لتنزیلہ) پر ہے یعنی اس مثال (وَلَوْ تَرٰٓى اِذْ وُقِفُوْا عَلَى النَّارِ) میں مضارع کی طرف عدول کیا گیا ہے یا تو مضارع کو ماضی کے مرتبے میں اتارنے کے لیے یا کافروں کی اس حالت کو بیان کرنے کے لیے جو ان کی آگ پر کھڑے ہونے کے وقت ہو گی کیونکہ مضارع کی شان میں سے یہ ہے کہ یہ ان کی حالت پر دلالت کرے جن کا مشاہدہ کیا جائے گویا کہ لفظِ مضارع کے ذریعے اس صورت پر ہر بندہ حاضر ہو گا تاکہ ہر سننے والا اس صورت کا مشاہدہ کرے اور یہ کام ایسے امر کے ساتھ کیا جائے گا جس کے نادر ہونے کی وجہ سے اس کا مشاہدہ کیا گیا ہو

جیسے اللہ پاک کا فرمان: (فَتُثِيْرُ سَحَابًا ترجمہ: تو وہ ہوائیں بادل کو ابھارتی ہیں)

مذکورہ مثال میں تُثِیرُ کو لفظِ مضارع کے ساتھ لائے اللہ پاک کے اس فرمان: (وَاللّٰہُ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ الرِّیٰحَ ترجمہ: اور اللہ ہی ہے جس نے ہوائیں بھیجیں) کے بعد حالانکہ قیاس کا تقاضا تو یہ تھا کہ یہاں "فأثارت "آتا کیونکہ پیچھے بھی ماضی ہی مذکور ہے لہذا آگے بھی ماضی ہی مذکور ہوتا

لیکن مضارع اس لیے ذکر کیا تا کہ اس بدیہی صورت کو ظاہر کیا جائے جو رب عزوجل کی قدرت پر دلالت کرنے والی ہے یعنی بادلوں کے چلنے کی صورت اس طرح کے وہ زمین و آسمان کے درمیان مسخر ہوتے ہیں اور وہ مختلف صورتوں میں ہوتے ہیں

سوال: کیا مسند کو نکرہ بھی لایا جاتا ہے؟

جواب: جی ہاں! مسند کے احوال میں سے ایک حالت یہ بھی ہے کہ اسے نکرہ لایا جاتا ہے

1 اس وقت جب مسند میں حسر اور معھود (معین) کو بیان کرنے کا ارادہ نہ ہو کیونکہ ان دونوں پر دلالت کرنے والی چیز معرفہ (الف لام) ہے

مثلاً: "زید کاتب وعمر وشاعر"

ان دونوں مثالوں میں کاتب اور شاعر کو نکرہ اس لیے لائے کہ یہاں حصر اور معھود کا ارادہ نہیں ہے

2 یا مسند کو اس وقت نکرہ لایا جاتا ہے جب مسند کے کمال و عظمت کو بیان کرنا مقصود ہو

مثلاً: "ھدی للمتقین"

یہ مبتدائے محذوف (ھو ھدی) کی خبر ہے یا (ذلک الکتاب) کی خبر ہے

3 یا مسند کو اس وقت نکرہ لایا جاتا ہے جب مسند کی تحقیر بیان کرنا مقصود ہو

مثلاً: "ما زید شیئا"

مذکورہ مثال میں زید کی تحقیر بیان کرنے کے لیے مسند کو نکرہ لائے ہیں

سوال: کیا مسند کو خاص بھی کیا جاتا ہے؟

جواب: جی ہاں! مسند کے احوال میں سے ایک حالت یہ بھی ہے کہ اسے اضافت یا وصف کے ساتھ خاص کیا جاتا ہے

مثلاً[1]: "زید غلام رجل"

مذکورہ مثال میں جب زید غلام کہا تو یہ معلوم نہیں تھا کہ یہ مرد کا غلام ہے یا عورت کا لیکن جب رجل کی طرف اضافت کی تو تخصیص ہو گئی

مثلاً[2]: "زید رجل عالم"

مذکورہ مثال میں جب زید رجل کہا تو یہ معلوم نہیں تھا کہ وہ عالم ہے یا جاہل ہے جب عالم صفت ذکر کی تو تخصیص ہو گئی

سوال: مسند کو خاص کیوں کیا جاتا ہے؟

جواب: مسند کو فائدے کے مکمل ہونے کی وجہ سے خاص کیا جاتا ہے جیسا کہ پیچھے گزرا کہ خصوصیات کا زیادہ ہونا فائدے کے مکمل ہونے کو واجب کرتا ہے

اعتراض: آپ نے جب مسند کے احوال کو مفعول، حال اور تمییز وغیرہ کے ساتھ بیان کیا تو واما تقییدہ کہا اور جب اضافت اور صفت کے ساتھ بیان کیا تو واما تخصیصہ کہا ایسا کیوں؟ دونوں کو مقیدات کے ساتھ یا محسوسات کے ساتھ بیان کر دیتے

جواب: مذکورہ اعتراض کے دو جوابات دیئے گئے ہیں

1 یہ محض اصطلاحات ہیں اگر تمام احوال کو مقیدات یا محسوسات کے ساتھ بھی بیان کر دیتے تو کوئی مسئلہ نہیں تھا

2 یہ محض اصطلاحات نہیں ہیں بلکہ اس میں مناسبت ہے اور وہ یہ ہے کہ

1 جب مسند فعل ہوتا ہے تو اس میں عموم نہیں ہوتا بلکہ فعل مطلقاً حدوث پر دلالت کرتا ہے اور مطلق کو مقید کیا جاتا ہے اسی وجہ سے حال، مفعول اور تمییز وغیرہ کے ساتھ واما تقییدہ کہا کیونکہ یہ اس کے مناسبات میں سے ہے

2 اور جب مسند اسم ہوتا ہے تو اس میں عموم ہوتا ہے اور عموم کو خاص کیا جاتا ہے اسی وجہ سے اضافت وصفت کے ساتھ واما تخصیصہ کہا کیونکہ یہ اس کے مناسبات میں سے ہے

سوال: کیا مسند کو اضافت یا صفت کے ساتھ خاص کرنے کو ترک بھی کیا جاتا ہے؟

جواب: جی ہاں! مسند کے احوال میں سے ایک حالت یہ ہے کہ اسے اضافت یا صفت کے ساتھ خاص کرنے کو ترک کیا جاتا ہے اس

وقت جب مسند کو خاص کرنے کا فائدہ نہ ہو

سوال: کیا مسند کو معرفہ بھی لایا جاتا ہے؟

جواب: جی ہاں! مسند کے احوال میں سے ایک حالت یہ ہے کہ اسے معرفہ لایا جاتا ہے ایک امرِ معلوم پر دوسرے امرِ معلوم کے حکم یا لازم حکم کا فائدہ دینے کے لیے

مثلاً: "زید مات"

اگر مخاطب سے یہ کلام اس لیے کریں کہ اسے زید کی موت کا علم نہیں تو یہ فائدہِ خبر ہو گا اور اگر مخاطب کو بھی زید کی وفات کا علم ہے تو یہ لازم فائدہ خبر ہو گا

☆اور مسند کو معرفہ لایا جائے گا معرفہ کے سات طریقوں میں سے کسی ایک طریقے پر

برابر ہے کہ مسند اور مسند الیہ دونوں اس طریقے میں متحد ہوں

مثلاً: "الراکب ھوالمنطلق"

مذکورہ مثال میں مسند اور مسند الیہ دونوں معرفہ ہونے میں متحد ہیں کیونکہ دونوں معرف باللام ہیں

یا مختلف ہوں

مثلاً: "زید ھوالمنطلق"

مذکورہ مثال میں مسند اور مسند الیہ معرفہ ہونے میں مختلف ہیں کیونکہ زید اسمِ علم ہے اور المنطلق معرف باللام ہے

سوال: کیا مسند کے معرفہ ہونے کے وقت مسند الیہ کا بھی معرفہ ہونا ضروری ہے؟

جواب: جی ہاں! مسند کے معرفہ ہونے کے وقت مسند الیہ کا بھی معرفہ ہونا واجب ہے کیونکہ اہل عرب کے نزدیک جملہ خبریہ میں مسند کا معرفہ اور مسند الیہ کا نکرہ ہونا درست نہیں ہے

اعتراض: جب مخاطب کو مبتداء وخبر کا علم ہو تو اب اگر اس سے وہ کلام کریں تو یہ افادۃ المعلوم ہو گا جبکہ کلام خبریہ میں افادۃ المجھول ہونا ضروری ہے لہذا آپ کا قاعدہ درست نہیں ہے

جواب: مخاطب کو مبتداء و خبر کا علم ہونا یہ افادۃ المجھول کے منافی نہیں ہے کیونکہ ممکن ہے کہ مخاطب کو مبتداء و خبر کا تو علم ہو لیکن ان میں پائی جانے والی اسناد کا علم نہ ہو لہذا آپ کا اعتراض وارد نہیں ہوتا

سوال: مسند کو معرفہ لانے کی مثالیں بیان کریں

جواب: مسند کو مفرد لانے کی مثالیں درج ذیل ہیں

زید اخوک، عمرو المنطلق جبکہ المنطلق معرفہ ہو

جب المنطلق میں الف لام عھدی یا الف لام جنسی کا اعتبار کیا جائے

سوال: کتاب کے الفاظ سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ زید اُخوک اس کو کہا جائے جو جانتا ہے کہ زید اس کا بھائی ہے

اور "ایضاح" نامی کتاب میں یہ مذکور ہے کہ زید اُخوک اس کو کہیں گے جو زید کو تو جانتا ہے اگرچہ یہ جانتا ہے یا نہیں کہ یہ کا بھائی ہے

ان دونوں اقوال میں موافقت کیسے ہو سکتی ہے ؟

جواب: بعض نحوی محقیقین نے یہ ذکر کیا ہے کہ معرف بالاضافت کی اصل وضع عھد (معین ہونے) کے اعتبار سے ہے

اگر ایسا نہ ہو تو غلام زیدٍ اور غلام لزید میں فرق نہیں رہے گا کیونکہ ان میں سے ایک معرفہ اور دوسرا نکرہ نہیں رہے گا

لیکن اکثر ایسا ہوتا ہے کہ جاءنی غلام زید کہا جاتا ہے اور اس سے معین کی طرف اشارہ نہیں ہوتا جیسا کہ معرف باللام میں ہوتا ہے یہ اضافت کی وضع کے خلاف ہے

☆ اس کتاب میں اصل وضع کا اعتبار ہے اور الایضاح میں خلاف وضع کا اعتبار ہے

سوال: اخوک زید اور المنطلق عمرو کرنے یعنی سابقہ مثالوں کو الٹا کرنے سے بھی معرفہ کا وہی فائدہ حاصل ہو گا یا نہیں ؟

جواب: سابقہ مثالوں کو الٹا کرتے سے بھی سامع کو حکم اور لازم حکم کا فائدہ حاصل ہو گا

سوال: جب جملہ اسمیہ میں مذکور دونوں اسم معرفہ ہوں تو کس کو مبتدا اور کس کو خبر بنائیں گے ؟

جواب: اگر ایک چیز کی دو صفتیں ہو ان میں سے ایک کے اس ذات سے متصف ہونے کو مخاطب جانتا ہو اور دوسری کو نہ جانتا ہو تو جس چیز کو مخاطب جانتا ہے تو متکلم کا گمان یہ ہوتا ہے کہ مخاطب چاہتا ہے کہ پہلی صفت پر دوسری کا حکم لگایا جائے تو اس وقت واجب ہے کہ اس پر

دلالت کرنے والے کو مبتداء بنایا جائے اور جب مخاطب صفت کو نہیں جانتا تو اس کے بارے میں متکلم کا یہ گمان ہوتا ہے کہ اس پر ثبوت یا دوام کا حکم لگایا جائے اور اسے خبر بنایا جائے

مثلاً: زید اخوک

جب سامع زید کو جانتا ہے اور اس کے نام کو بھی جانتا ہے لیکن اخوت کے اس کے ساتھ متصف ہونے کو نہیں جانتا تو اس وقت آپ اس کا تعارف یوں کرواتے ہیں: زید اخوک

یہاں زید کو اس لیے مقدم کیا کیونکہ وہ زید کو جانتا ہے اخوک کو اس لیے مقدم نہیں کیا کہ وہ اسے جانتا ہی نہیں

☆اور جب سامع اس کے بھائی کو جانتا ہے لیکن اس کی تعیین کو نہیں جانتا تو اسے معین کرنے کا ارادہ کرتے ہوئے آپ یوں کہتے ہیں:

اخوک زید

یہاں اُخوک کو اس لیے مقدم کیا کہ وہ اس کے بھائی ہونے کو تو جانتا ہے لیکن زید کو نہیں جانتا

☆ہمارا یہ ضابطہ اس قول میں ظاہر ہو گا

(رأیت أُسوداً غابھا الرماح)

ترجمہ: میں نے شیر کو دیکھا اس کے لیے جھاڑیاں اور نیزے ہیں

یہاں شیر کی دو صفتیں بیان کی گئیں

1 غابھا

2 الرماح

غابھا کو مبتدا بنایا کیونکہ سامع شیر کے جھاڑیوں میں رہنے کو زیادہ بہتر طریقے سے جانتا ہے بر خلاف نیزے کے

سوال: معرف باللام کے معرفہ ہونے میں کتنے اعتبار ہیں؟

جواب: معرف باللام کے معرفہ ہونے میں دو اعتبار ہیں

ایک عہد خارجی کا اور دوسرا الف جنسی کا

☆الف لام جنسی قصرِ جنس کا فائدہ دیتا ہے یعنی جنس کو کسی چیز کے ساتھ خاص کرنے کا فائدہ دیتا ہے کیونکہ اس میں عمومیت ہوتی ہے اور جہاں عمومیت ہوتی ہے وہاں پر حصر ہوتا ہے، جبکہ معرف بعہد الخارجی قصرِ جنس کا فائدہ نہیں دیتا کیونکہ تخصیص وہاں ہوتی ہے جہاں عمومیت ہوتی ہے اور معرف بعہد الخارجی میں عموم نہیں ہوتا

سوال: معرف باللام کتنی چیزوں کے اعتبار سے قصرِ جنس کا فائدہ دیتا ہے؟

جواب: معرف باللام الجنس دو چیزوں کے اعتبار سے قصرِ جنس کا فائدہ دیتا ہے

1حقیقتاً:

وہ یہ ہے کہ جس چیز کو خاص کیا جا رہا ہے وہ صرف اسی میں پائی جاتی ہو

مثلاً: "زید الامیر"

یہ اس وقت کہا جائے گا جب زید کے علاوہ کوئی اور امیر نہ ہو

2مبالغۃً:

وہ یہ ہے کہ جس چیز کو خاص کیا جا رہا ہے وہ اس کے علاوہ میں بھی پائی جاتی ہے لیکن اس میں اکمل طریقے سے پائی جاتی ہے

مثلاً: "عمرو الشجاع"

یہ اس وقت کہا جائے گا جب عمرو شجاعت میں کامل ہو کہ کوئی اور اس جیسے کمال کے درجے کو نہ پہنچا ہو

☆اسی طرح جب معرف باللام کو مبتداء بنائیں تو یہ بھی قصرِ جنس کا فائدہ دیتا ہے مثلاً: "اَلْامیر زید اور الشجاع عمرو"

زید کے امیر ہونے میں منحصر ہونے کا فائدہ دینے میں اور عمرو کے بہادر ہونے میں منحصر ہونے کا فائدہ دینے میں ان دونوں مثالوں اور متن میں مذکور دونوں مثالوں کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے

حاصل کلام یہ ہے کہ معرف باللام الجنس اگر مبتداء ہو تو وہ خبر پر منحصر ہوگا برابر ہے کہ خبر معرفہ ہو یا نکرہ ہو اور اگر معرف باللام کو خبر بنائیں تو یہ مبتداء پر منحصر ہوگا

سوال: کیا کبھی معرف باللام قصرِ جنس کا فائدہ نہیں بھی دیتا؟ نیز کیا اسے مقید بھی کیا جاتا ہے؟

جواب: جی ہاں! کبھی کبھار معرف باللام قصرِ جنس کا فائدہ نہیں بھی دیتا یعنی اپنے اطلاق پر باقی رہتا ہے

1 کبھی معرف باللام کو وصف کے ساتھ مقید کیا جاتا ہے

مثلاً: "ھوالرجل الکریم"

جب ھوالرجل کہا تو یہ قصر جنس کا فائدہ نہیں دے رہا تھا لیکن جب الکریم کہا تو الکریم نے آکر قصرِ جنس کا فائدہ دیا

2 کبھی معرف باللام کو حال کے ساتھ مقید کیا جاتا ہے

مثلاً: "ھوالسائر راکباً"

جب ھوالسائر کہا تو قصرِ جنس کا فائدہ نہیں ہو رہا تھا لیکن جب راکباً حال ذکر کیا تو اس نے آکر قصرِ جنس کا فائدہ دیا

3 کبھی معرف باللام کو ظرف کے ساتھ مقید کیا جاتا ہے

مثلاً: "ھوالأمیر فی البلد"

جب ھوالأمیر کہا تو یہ قصرِ جنس کا فائدہ نہیں دے رہا تھا لیکن جب فی البلد ظرف ذکر کیا تو اس نے آکر قصرِ جنس کا فائدہ دیا

4 کبھی معرف باللام کو مفعول کے ساتھ مقید کیا جاتا ہے

مثلاً: "ھوالواھب ألف قنطار"

جب ھوالواھب کہا تو قصرِ جنس کا فائدہ نہیں ہو رہا تھا لیکن جب ألف قنطار کہا تو اس نے آکر قصرِ جنس کا فائدہ دیا

☆ یہ تمام باتیں عرب بلغاء کی تقاریر میں غور و فکر و تتبع سے حاصل ہوئی

سوال: یقیّد کے ساتھ لفظِ قد کا آنا کس بات کی طرف اشارہ ہے؟

جواب: یقیّد کے ساتھ لفظِ قد کا آنا اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ کبھی کبھار تعریف الجنس قصرِ جنس کا فائدہ نہیں دیتا جیسا کہ خنساء کے اس قول میں: "اذاقبح البکاء علی قتیل رایت بکاءک الحسن الجمیلا" ترجمہ: جب مرنے والے پر رونا قبیح ہو تو میں اپنے کو تیرے اوپر رونے کو اچھا گمان کرتا ہوں

یہاں اگرچہ بقاء کے بعد الحسن الجمیلا آیا ہے لیکن یہ قصرِ جنس کا فائدہ نہیں دے رہا کیونکہ رونا فی نفسہ برا ہے

☆ یہ بات ہم نے کلامِ عرب کے معانی میں معرفت کے تجربے، تتبع، مستقل غور و فکر اور ذوق سلیم سے جانی ہے کہ یہاں قصرِ جنس کا معنی حاصل نہیں ہو رہا اگرچہ ظاہر اور قاصر کی طرف نظر کرتے ہوئے قصرِ جنس کا معنی لینا ممکن ہے

سوال: تقدیم و تاخیر کے بارے میں امام رازی رَحْمَۃُاللہِ عَلَیہ کا کیا موقف ہے؟ نیز ان کو دیا جانے والا جواب بھی بیان کریں

جواب: امام رازی رَحْمَۃُاللہِ عَلَیہ فرماتے ہیں زید المنطلق اور المنطلق زید جیسی مثالوں میں اسم ابتداء کے لیے متعین ہے کیونکہ وہ ذات پر دلالت کرتا ہے اور صفت خبر کے لیے متعین ہے کیونکہ وہ امر نسبی پر دلالت کرتی ہے

کیونکہ مبتداء کا معنی منسوب الیہ اور خبر کا معنی منسوب ہے، امر ذات منسوب الیہ ہوتی ہے اور صفت منسوب ہوتی ہے

ہم زید المنطلق کہیں یا المنطلق زید کہیں دونوں صورتوں میں زید مبتدا ہے اور المنطلق خبر ہے

امام رازی کو جواب:

جس کے لیے وہ صفت ہے وہ نام والا ہے یعنی صفت کو ذات پر دلالت کرنے والا اور مسند الیہ بنالیا اور اسم کو امر نسبی پر دلالت کرنے والا اور مسند بنالیا گیا ہے

سوال: کیا مسند کو جملہ بھی لایا جاتا ہے؟ اگر لایا جاتا ہے تو کس لیے لایا جاتا ہے؟

جواب: مسند کے احوال میں سے ایک حالت یہ ہے کہ اسے جملہ لایا جاتا ہے تقویتِ حکم کے فائدے کے لیے

مثلاً: "زید قام"

یا مسند سببی کے لیے

مثلاً: "زید ابوہ قائم"

سوال: حکم سے کیا مراد ہے؟

جواب: حکم سے مراد مسند کو مسند الیہ کے لیے ثابت کرنا یا منتفی کرنا ہے

سوال: تقویت سے کیا مراد ہے؟

جواب: تقویت سے مراد تکرارِ اسناد کی وجہ سے حکم میں پختگی آجانا ہے

سوال: مسند کو کب مفرد لائیں گے

جواب: جب مسند غیر سببی ہو گا اور تقویتِ حکم کا فائدہ نہیں دے گا تو اس وقت اسے مفرد لائیں گے

مثلاً: "زید قام" مذکورہ مثال میں زید مبتدا، مسند الیہ ہے جو چاہتا ہے کہ اس کے بعد ایسی چیز ہو جسے اس کی طرف منسوب کیا جائے جب قام کو ذکر کیا تو اب زید نے اپنی چاہت کے مطابق قام کو اپنی طرف کھینچ لیا اب چاہے وہ ضمیر سے خالی ہو یا ضمیر کو شامل ہو لہذا ان کے درمیان ایک حکم واقع ہو رہا ہے

پس جب مسند الیہ کے بعد مسند ذکر کریں گے تو اس کی حالت یہ ہو گی کہ وہ معتد بہ ہو گا یعنی خالی عن الضمیر کے مشابہ نہیں ہو گا پس "زید قام" والی صورت میں ان دونوں کے درمیان حکم تو ہے لیکن یہ معتد بہ نہیں ہے

اور زید قام والی صورت میں یہ ضمیر مبتدا کو دوسری مرتبہ مسند الیہ کی طرف پھیرتی ہے تو حکم قوی ہو جاتا ہے اسی پر حکم خاص ہے، مبتدا کی ضمیر کی طرف اسناد کی وجہ سے اس سے یہ مثال نکل جائے گی "زید ضربتُہ"

واجب ہے کہ اسے مسندِ سببی بنایا جائے کیونکہ اس میں ضربتُ کی تُ ضمیر زید کی طرف نہیں بلکہ متکلم کی طرف لوٹ رہی ہے

سوال: علامہ شیخ عبد القاہر جرجانی رَحْمَۃُاللہِ عَلَیۡہ نے زید قام میں تقویتِ حکم کو بیان کرتے ہوئے کیا فرمایا؟

جواب: علامہ شیخ عبد القاہر جرجانی رَحْمَۃُاللہِ عَلَیۡہ زید قام میں تقویتِ حکم کو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ جب متکلم مسند کو جو کہ مبتدا ہے عواملِ لفظیہ سے خالی لائے گا تو گویا وہ سامع کے ذہن میں یہ بات ڈالنا چاہتا ہے کہ وہ زید کے بارے میں خبر دینے کا ارادہ کرتا ہے پس جب وہ زید کی طرف خبر کی اسناد کر دیتا ہے تو یہ سامع کے ذہن میں مانوس ہو کر واقع ہوتی ہے پس تمہید کے بعد قام ذکر کرنا ثبوت کے لیے زیادہ قوی شک وشبہ کو منع کرنے والی ہے کیونکہ قاعدہ یہ ہے کہ جو چیز تمہید کے ساتھ بیان کی جاتی ہے وہ سامع کے ذہن میں مانوس واقع ہوتی ہے

حاصلِ کلام یہ ہے کہ کسی چیز کو اچانک ذکر کرنا اس پر تنبیہ کرکے ذکر کرنے کی طرح نہیں ہے، یہ تاکیدِ اخبار حکم کو پختہ کرنے کے قائم مقام ہو گی

پس اس میں یہ مثالیں بھی داخل ہو جائیں گی "زید ضربتہ اور زید مررت بہ"

اعتراض: آپ نے کہا مسند کو جملہ لاتے ہیں جب مسند سببی ہو گا یا تقویتِ حکم کا فائدہ نہیں دے گا، تو کسی چیز کے متعلق کوئی چیز بیان کر دینا ایسے ہی ہے کہ اسے اسی میں منحصر کر دینا

یہاں آپ نے مسند کے لیے دو چیزیں بیان کر دی گویا مسند صرف ان دو چیزوں کے پائے جانے کے وقت ہی جملہ واقع ہوتا ہے اس کے علاوہ نہیں ہوتا لہذا آپ کا یہ قاعدہ درست نہیں کیونکہ مسند ضمیر شان میں بھی جملہ واقع ہوتا ہے

جواب: مصنف نے ضمیر شان کے مشہور اور معروف ہونے کی وجہ سے اسے بیان نہیں کیا، اور تخصیص والی صورت کو اس لیے بیان نہیں کیا کیونکہ وہ تقویت حکم میں داخل ہے مثلاً: "انا سعیت فی حاجتک اور رجل جاءنی"

سوال: جب مسند جملہ اسمیہ ہو گا تو کس چیز کا فائدہ دے گا؟

جواب: جب مسند جملہ اسمیہ ہو گا تو ثبوت و دوام کا فائدہ دے گا

سوال: جب مسند جملہ فعلیہ ہو گا تو کس چیز کا فائدہ دے گا؟

جواب: جب مسند جملہ فعلیہ ہو گا تو تجدد و حدوث کا اور تینوں زمانوں میں سے کسی ایک زمانے کے ساتھ اختصار کا فائدہ دے گا

سوال: جب مسند جملہ شرطیہ ہو گا تو کس چیز پر دلالت کرنے والا ہو گا؟

جواب: جب مسند جملہ شرطیہ ہو گا تو مختلف اعتبارات پر دلالت کرنے والا ہو گا جو اداتِ شرط سے حاصل ہوتے ہیں

سوال: جب مسند ظرف ہو گا تو اس وقت کس چیز سے مختصر ہو گا؟

جواب: جب مسند ظرف ہو گا تو اس وقت یہ جملہ فعلیہ سے مختصر ہو گا

سوال: ظرف کس کے متعلق ہو گا؟

جواب: ظرف فعل کے متعلق ہو گا اور ایک قول یہ بھی ہے کہ ظرف اسم فاعل کے متعلق ہو گا کیونکہ ظرف خبر واقع ہوتا ہے اور خبر کی اصل یہ ہے کہ وہ مفرد ہو

ان دونوں اقوال میں سے راجح قول ظرف کا فعل کے متعلق ہونے والا قول ہے کیونکہ ظرف اسم موصول کے لیے صلہ واقع ہوتا ہے اور صلہ ہمیشہ جملہ ہوتا ہے

مثلاً: "الذی فی الدار اخوک" جب ظرف موصول کا صلہ ہو گا تو اس وقت فعل کے متعلق ہو گا اور جب غیر صلہ ہو گا تو اس وقت بھی صلہ پر قیاس کرتے ہوئے فعل کے متعلق ہو گا

بعض لوگوں نے کہا کہ آپ کا یہ قیاس، قیاس مع الفارغ ہے کیونکہ صلہ واقع ہونا جملے کے مقامات میں سے ہے بر خلاف خبر کے کیونکہ خبر مفرد کے مقامات میں سے ہے

اور اگر "اذھی" کی جگہ "اذالظرف" کہتے تو یہ زیادہ بہتر تھا کیونکہ عبارت کا ظاہر تقاضا کرتا ہے کہ جو صلہ ظرفیہ ہوتا ہے وہ اسم فاعل کے ساتھ مقدر ہو غیر صحیح قول پر، لہذا اس کا فساد مخفی نہیں ہے

سوال: کیا مسند کو مؤخر بھی کیا جاتا ہے؟

جواب: جی ہاں! مسند کے احوال میں سے ایک حالت یہ ہے کہ اسے مؤخر کیا جاتا ہے کیونکہ مسند الیہ کو مقدم کرنا اہم ہوتا ہے جیسا کہ مسند الیہ کو مقدم کرنے کی بحث میں گزرا

سوال: کیا مسند کو مقدم بھی کیا جاتا ہے؟

جواب: جی ہاں! مسند کے احوال میں سے ایک حالت یہ بھی ہے کہ مسند کو مقدم کیا جاتا ہے تاکہ مسند الیہ کو مسند کے ساتھ خاص کر دیا جائے یعنی مسند کو مسند الیہ پر منحصر کرنے کے لیے جیسا کہ ضمیر فصل میں ہم نے بیان کیا ہمارے قول "تمیمی انا" میں تمیمی مسند مقصور علیہ اور انا مسند الیہ مقصور ہے اور اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ وہ تمیمی ہی ہے اس نے قیسیہ کی طرف تجاوز نہیں کیا

اور "لافیھا غول" میں فیھا مسند مقصور الیہ ہے اور غول مسند الیہ مقصور ہے اس مثال میں مسند یعنی فیھا کو مقدم کیا اور مسند الیہ یعنی غول کو مؤخر کیا تاکہ تخصیص کا فائدہ حاصل ہو اور اس کا معنی یہ ہے کہ صرف جنت ہی کی شراب میں نشہ نہیں ہے بر خلاف دنیا کی شرابوں کی

اعتراض: پیچھے جو مثال بیان کی گئی ہے یہ قصر المسند الیہ علی المسند کی مثال نہیں بنتی بلکہ یہ قصر المسند الیہ علی الجزء کی مثال بنتی ہے کیونکہ فیھا کی ضمیر جنت کی شراب کی طرف لوٹ رہی ہے

جواب: یہاں دو احتمال ہیں یا تو لا حرف نفی مسند الیہ کے متعلق ہو گا یا مسند کے متعلق ہو گا

جب یہ مسند الیہ کے متعلق ہو گا تو معنی یہ ہو گا کہ عدم غول (نشے کے نا ہونے) کا حصول جنت کی شراب میں ہے

اور اگر لا حرفِ نفی مسند کے متعلق ہو گا تو معنی یہ ہو گا کہ غول (نشے) کا عدم حصول جنت کی شراب میں ہو گا دنیا میں نہیں ہو گا بہر حال حرفِ نفی مسند کے ساتھ معلق ہو یا مسند الیہ کے ساتھ معلق ہو دونوں صورتوں میں قصر المسند الیہ علی المسند کی مثال بنتی ہے اور اللہ پاک کا فرمان ﴿لَكُمۡ دِينُكُمۡ وَلِيَ دِينِ﴾ [الکافرون: ٦]

یہ قصرِ موصوف علی الصفت کی مثال بن سکتی ہے اور اسی کی مثال وہ ہے جسے صاحبِ مفتاح نے "مفتاح" میں ذکر کیا

﴿إِنۡ حِسَابُهُمۡ إِلَّا عَلَىٰ رَبِّيۖ﴾ [الشعراء: ۱۱۳]

اس کا معنی یہ ہے کہ حساب لینا میرے رب کی ذات پر منحصر ہے، حساب لینا رب کے غیر کی طرف متجاوز نہیں ہو سکتا

اور یہ تمام مثالیں قصر الموصوف علی الصفت کی مثالیں ہیں

سوال: مسند کو مسند الیہ پر مقدم کرنے کی اغراض بیان کریں

جواب: مسند کو مسند الیہ پر مقدم کرنے کی اغراض درج ذیل ہیں

1 تخصیص اور قصر المسند الیہ علی المسند کا فائدہ دینے کے لیے

اسی وجہ سے اللہ پاک کے فرمان (لاریب فیہ) میں فیہ کو مقدم نہیں کیا یعنی ظرف مسند کو مقدم نہیں کیا گیا کیونکہ اگر مسند کو مسند الیہ پر مقدم کرتے تو باطل کا احتمال ہوتا کہ شک کا واقع نہ ہونا صرف قرآن کے ساتھ خاص ہے دیگر آسمانی کتابوں کے ساتھ خاص نہیں ہے

☆ اور مصنف نے متن میں سائر کتب اللہ کہا، سائر کتب نہیں کہا کیونکہ قرآن کا مقابلہ دیگر آسمانی کتابوں سے ہے نا کہ دنیاوی کتابوں سے جیسا کہ پچھلی مثال میں جنت کی شراب کا مقابلہ دنیاوی شرابوں سے ہے نا کہ مطلق طور پر تمام مشروبات وغیرہ سے

2 یا مسند کو مسند الیہ پر مقدم کیا جاتا ہے شروع سے ہی تنبیہ کرنے کے لیے کہ مسند یہاں خبر واقع ہو رہی ہے صفت واقع نہیں ہو رہی کیونکہ خبر مبتدا پر مقدم ہو سکتی ہے لیکن صفت موصوف پر مقدم نہیں ہو سکتی

اور "من اول الأمر" کہا کیونکہ بعض اوقات غور و فکر کے ذریعے اس بات کو جانا جاتا ہے کہ یہاں فلاں لفظ خبر بن رہی ہے نا کہ صفت اور غور و فکر کے ذریعے اس بات کو بھی جانا جاتا ہے کہ کلام میں اس کے علاوہ کوئی خبر واقع نہیں ہوئی

جیسا کہ حضرت حسان بن ثابت کا حضور صَلَّی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں شعر:

"لہ ھمم لامنتھی لکبار لھا وھمتہ الصغریٰ اجل من الدھر"

ترجمہ: حضور صَلَّی اللہ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی ایسی ہمتیں ہیں جس کی عظمت وشان کی کوئی انتہا نہیں ہے اور حضور کی چھوٹی ہمت زمانے کی بڑی سے بڑی ہمت سے اجل ہے

مذکورہ مثال میں "ھمم لہ" نہیں کہا بلکہ "لہ ھمم" کہا کیونکہ "ھمم لہ" کہتے تو احتمال ہوتا ہے ھمم لہ کے لیے صفت ہے

3 یا مسند کو مسند الیہ پر مقدم کیا جاتا ہے نیک فعالی کے لیے

مثلاً: سعدت بغرۃ وجھک الایام

ترجمہ: چہرے کی روشنی نے زمانے کو روشن کر دیا ہے

4 یا مسند کو مسند الیہ پر مقدم کیا جاتا ہے مسند الیہ کے ذکر کی طرف شوق دلانے کے لیے

پس مسند کا ذکر طول پکڑ جاتا ہے جو نفس کو مشتاق بناتا ہے تو مسند الیہ کے لیے نفس میں وقعت اور محل پیدا ہو جاتا ہے کیونکہ جو چیز طلب کے بعد حاصل ہوتی ہے وہ تھکاوٹ کے بغیر حاصل ہونے والی چیز سے زیادہ عزیز ہوتی ہے

جیسا کہ شاعر کا قول: ثلاثۃٌ تُشْرِقُ الدُّنْیَا بِبَھْجَتِھَا شَمْسُ الضُّحَیٰ وَاَبُوْاِسْحَاقَ والقَمَرُ

ترجمہ: وہ تین چیزیں جن کے چہرے کی پیشانی سے دنیا روشن ہو گئی وہ چاشت کے وقت کا سورج، ابو اسحاق، اور چاند ہے

مذکورہ مثال میں ثلاثۃ مسند کو مقدم کیا جو کہ موصوف ہے اور بقیہ شعر (شَمْسُ الضُّحَیٰ وَاَبُوْاِسْحَاقَ والقَمَرُ) مسند الیہ کو مسند الیہ کے ذکر کی طرف شوق دلانے کے لیے مؤخر کیا

☆اور تشرق، اشرق سے ماخوذ ہے اور اس کا معنی ہے دنیا کو روشن کرنا

اور الدنیا تشرق سے فاعل ہے اور موصوف کی طرف لوٹ رہا ہے یعنی ان کی پیشانی کے نور اور اچھے اخلاق سے دنیا روشن ہو گئی

بہر حال بہت ساری چیزیں جو مسند اور مسند الیہ کے باب میں ذکر کی گئی وہ انہی کے ساتھ خاص نہیں ہیں جیسا کہ انہیں ذکر کرنا، حذف کرنا، معرفہ لانا، نکرہ لانا، مقدم کرنا، مؤخر کرنا، مطلق لانا، مقید کرنا اور اس کے علاوہ چیزیں

اور ماتن نے "کثیر مماذ کر" کہا کیونکہ بعض چیزیں ان دونوں کے ساتھ ہی خاص ہیں جیسا کہ ضمیر فصل کو مسند اور مسند الیہ کے ساتھ خاص کیا گیا ہے اور فعل کا مسند کے ساتھ خاص ہونا پس ہر فعل ہمیشہ مسند ہو گا

اور ایک قول یہ بھی ہے کہ "کثیر مماذ کر" سے اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ مسند اور مسند الیہ کے ابواب میں مذ کور تمام باتیں ان دو ابواب کے علاوہ میں جاری نہیں ہوتی جیسے معرفہ ہونا کہ حال تمیز معرفہ نہیں ہوتے اور مقدم ہونا کہ یہ مضاف الیہ میں نہیں ہوتا

☆ مذ کورہ بات میں نظر ہے کیونکہ ہمارا قول: "جمیع ماذ کر فی البابین غیر مختص بھا"

اس بات کا تقاضہ نہیں کرتا کہ مذ کورہ چیزوں میں سے کوئی ایک شئے ان امور میں سے ہر ایک میں جاری ہو جو امور مسند اور مسند الیہ کے علاوہ ہیں اگرچہ ان میں سے ہر ایک شئے اس امر میں پائی جائے کیونکہ ان دونوں ابواب کے ساتھ خاص نہ ہونے کے لیے کسی ایک شئے میں پایا جانا کافی ہے جو ان دونوں ابواب کے علاوہ ہو فافھم (پس سمجھو اور غور کرو)

ذہین آدمی جب ان دو ابواب میں اعتبارات کو پختہ کرلے تو ان دو ابواب کے علاوہ میں ان چیزوں کا اعتبار کرنا مخفی نہیں رہے گا یعنی مفاعیل، ان کے ملحقات اور مضاف الیہ میں بھی وہ ان چیزوں کا اعتبار کر سکتا ہے

احوال متعلقات الفعل

سوال: فعل کا مفعول کے ساتھ کیسا تعلق ہوتا ہے؟

جواب: فعل کا مفعول کے ساتھ ایسا ہی تعلق ہوتا ہے جیسے فعل کا فاعل کے ساتھ تعلق ہوتا ہے اس بات میں کہ فاعل یا مفعول میں سے کسی ایک کو فعل کے ساتھ ذکر کرنے سے یا فعل کو ان دونوں کے ساتھ ذکر کرنے سے غرض فعل کے تعلق کا فائدہ دینا ہے یعنی ان دونوں میں سے ہر ایک کے ساتھ فعل کے تعلق کا فائدہ دینا

☆فاعل کے ساتھ تعلق کا فائدہ اس طرح کہ فعل فاعل سے واقع ہوتا ہے

☆اور مفعول کے ساتھ تعلق کا تعلق اس طرح کہ فعل اس پر واقع ہوتا ہے

مطلق طور پر فعل کے واقع ہونے کا فائدہ دینا غرض نہیں ہے یعنی مفعول کو فعل کے ساتھ ذکر کرنے کی غرض فعل کے وقوع کا یا فی نفسہ فعل کے ثبوت کا فائدہ دینا نہیں ہے کہ اس میں یہ ارادہ نہ ہو کہ یہ معلوم ہو کس پر فعل واقع ہوا اور کس کی طرف سے واقع ہوا، کیونکہ اگر یہ ارادہ ہو تو یوں کہا جائے گا "وقع الضرب، یاوُجد، یا ثبت اس میں فاعل اور مفعول کو ذکر نہیں کیا جائے گا کہ ان کا ذکر فضول ہو گا

سوال: جب فعل متعدی کے ساتھ مفعول بہ کو ذکر نہ کیا جائے تو اس وقت کہا غرض ہو گی؟

جواب: جب فعل متعدی کے ساتھ مفعول بہ کو ذکر نہ کیا جائے تو اس وقت غرض مطلقاً فعل کو فاعل کے لیے ثابت کرنا یا فعل کی فاعل سے نفی کرنا ہو گی یعنی فعل میں عموم کا اعتبار نہیں کریں گے کہ فعل کے تمام افراد مراد لئے جائیں اور نا ہی خصوص کا اعتبار کریں گے کہ اس میں سے بعض افراد مراد ہوں نیز اس کے تعلق کا اعتبار بھی نہیں کریں گے کہ کس پر فعل واقع ہوا ہے چہ جائے کہ اس کے عموم و خصوص کو مراد لیا جائے

☆جب غرض مذکورہ ہو تو فعل کو لازم کے مرتبہ میں اتار دیا جائے گا اور مفعول کو مقدر بھی نہیں مانیں گے کیونکہ مقدر مذکور کی طرح ہوتا ہے

کیونکہ سامع فاعل اور فعل سے سمجھ جاتا ہے کہ غرض فاعل سے فعل کے واقع ہونے کی خبر دینا ہے اس اعتبار سے فعل کا تعلق اس کے

ساتھ ہے جس پہ فعل واقع ہے کیونکہ جب ہم کہتے ہیں" فلان یعطی الدنانیر "تو یہ جملہ اس چیز کی جنس کو بیان کرنے کے لیے ہے جس کو اعطاء شامل ہے نا کہ اس بات کو کہ یہ جملہ معطی ہونے کو بیان کر رہا ہے

سوال: فعل متعدی کو لازم کے مرتبہ میں اتارنے کی کتنی اقسام ہیں؟

جواب: فعل متعدی کو لازم کے مرتبہ میں اتارنے کی دو اقسام ہیں

1 مطلق فعل کو اس فعل سے کنایہ بنایا جائے گا اس حال میں کہ اس فعل کا تعلق مخصوص مفعول کے ساتھ ہوگا جس پر قرینہ دلالت کر رہا ہوگا

2 مطلق فعل کو کنایہ نہیں بنایا جائے گا

مطلق فعل سے مراد یہ ہے کہ اس میں عموم و خصوص کا اور مفعول کے ساتھ فعل کے تعلق کا اعتبار نہیں کیا جائے گا

مثلاً: اللہ پاک کا فرمان: " قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ وَالَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ "

ترجمہ: تم فرماؤ: کیا علم والے اور بے علم برابر ہیں؟

یعنی جس کے لیے علم کی حقیقت موجود ہے اور جس کے لیے علم کی حقیقت موجود نہیں یہ دونوں آپس میں برابر نہیں

اس آیت میں مقصود مساوات کی نفی کرنا ہے فعل کو لازم کے مرتبہ میں اتار دیا گیا ہے اور مطلق علم کو کنایہ بھی نہیں بنایا گیا

سوال: مصنف نے دوسری قسم کو پہلی پر مقدم کیوں کیا؟

جواب: دوسری قسم کے کثرت وقوع کے اعتبار سے زیادہ اہم ہونے کی وجہ سے مصنف نے اسے مقدم کیا

سوال: لام استغراق کے بارے میں علامہ سکاکی صاحب کا قول بیان کریں؟

جواب: علامہ سکاکی صاحب فرماتے ہیں جب مقام خطاب کا ہو استدلال کا نہ ہو تو اس میں موجود معرف باللام خواہ مفرد ہو یا جمع استغراق کا فائدہ دے گا

جیسے حضور عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَام کا فرمان: "المؤمن غرّ کریم والمنافق خب لئیم "

مفعول کو حذف کرنے کی بحث میں فرمایا کہ متعدی کو لازم کے مرتبہ میں اتاریں تو نفس فعل کا قصد ہوگا جیسے فلان یعطی کا معنی ہے یفعل

الاعطاء

اس کی طرف مصنف نے اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ علامہ سکاکی صاحب فرماتے ہیں کہ غرض اصل فعل کو ثابت کرنا اور لازم کے مرتبہ ہیں اتارنا ہے کنایہ کا اعتبار کیے بغیر ہو اس کے بعد جب مقام خطابی ہو جس میں محض ظن کافی ہو استدلالی نہ ہو جس میں یقینِ برہانی طلب نہ کیا جائے تو اس وقت وہ مقام یا تو فعل کے فاعل کے لیے ثبوت یا فاعل کے لیے نفی کا فائدہ دینے کے ساتھ تعمیر کا فائدہ دے گا تحکم کو دور کرنے کے لیے

اس کی وضاحت یہ ہے کہ یعطی یفعل الاعطاء کے معنی ہے اس میں اعطاء الف لام کے ساتھ ہے جس کو مقام خطاب میں اعطاؤں کے استغراق پر اور اعطاآت کے شمول پر بطور مبالغہ کے محمول کیا جائے گا

اعتراض: یہ کہنا کہ مقام خطابی ہو تو فعل کے افراد میں تعمیم ہو گی یہ تو اس بات کے منافی ہے کہ غرض مطلقاً فعل کا ثبوت ہے یا فعل کی نفی ہے یعنی اس میں عموم و خصوص کا اعتبار نہ ہو مطلب یہ ہے کہ ایک طرف تو کہہ رہے ہیں کہ عموم و خصوص کا اعتبار نہیں کرنا اور دوسری طرف کر رہے ہیں عموم کا فائدہ ہو گا

جواب: ہم اس بات کو تسلیم نہیں کرتے کیونکہ کسی شے کا غرض میں اعتبار نہ کرنا کلام سے اس کا فائدہ نہ ہونے کو لازم نہیں یعنی تعمیم کا فائدہ تو حاصل ہو رہا ہے لیکن تعمیم مقصود نہیں ہے

سوال: فعل مطلق کو کس سے کنایہ بنایا جاتا ہے؟ مع مثال بیان کریں

جواب: فعل مطلق کو اس فعل سے کنایہ بنایا جاتا ہے جو مفعولِ مخصوص کے ساتھ مقید ہوتا ہے

مثلاً: بحتری کا قول معتز باللہ کے بارے میں مستعین باللہ کو عار دلاتے ہوئے

"شجو حساده وغيظ عداه أنْ يرى مبصر ويسمع واع"

ترجمہ: میرے ممدوح کے حاسدوں کا غم اور اس کے دشمنوں کا غصہ ہر دیکھنے والا دیکھتا ہے اور ہر سننے والا سنتا ہے

یعنی ہر دیکھنے والا دیکھنے کے ساتھ اس کا ادراک کرتا ہے اور ہر سننے والا سننے کے ساتھ اس کے ظاہری اوصاف کو جانتا ہے ایسے اوصاف جو دلالت کرتے ہیں کہ امامت کا وہی مستحق ہے اس کے علاوہ امامت کا کوئی مستحق نہیں

☆ "فلا یجدوا" اصل میں یجدون تھا یدرک فعل پر عطف کرتے ہوئے اس کو نسب دیا گیا ہے یعنی وہ جو امامت کی تمنا کرتے ہیں میرے ممدوح کے حاسدین اور اس کے دشمن وہ امامت کے لیے لڑائی جھگڑے کی طرف کوئی راستہ نہیں پاتے

حاصل کلام یہ ہے کہ "یری اور یسمع" یہ دو متعدی فعل ہیں ان کو لازم کے مرتبے میں اتارا گیا ہے یعنی وہ جس سے سماع اور رویت کا فعل صادر ہوا ہے اس کا مفعولِ مخصوص کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے پھر ان دونوں فعلوں کو اس فعل رویت اور سماع سے کنایہ بنایا گیا ہے جو مفعولِ مخصوص کے متعلق ہے وہ مفعولِ مخصوص اس کے محاسن اور اخبار ہے ان کے مطلق رویۃ اور رؤیۃ آثار و محاسن کے درمیان اور مطلق سماع اور سماع اخبار کے درمیان لازم ہونے کا دعوی کرنے کے ساتھ

(یعنی مفعول مطلق کو مفعول مقید سے کنایۃً مراد لیا گیا ہے) اس بات پر دلالت کرنے کے لیے کہ اس میں محاسن اور خوبیاں اتنی مشہور اور اس کثرت سے پائی جاتی ہیں کہ جن کا چھپا ہونا ممتنع ہے تو ان کو ہر سننے والا سنتا ہے اور ہر دیکھنے والا دیکھتا ہے بلکہ ہر دیکھنے والے کو نظر ہی نہیں آتے مگر اس کے محاسن اور ہر سننے والے کو سنائی نہیں دیتے مگر اس کے اوصاف

پس ملزوم کو کنایہ کے طریقے پر ذکر کیا گیا ہے اور لازم کو مراد لیا گیا ہے تو مفعول کو ترک کرنے اور اس سے اعراض کرنے میں یہ خبر ہے کہ میرے ممدوح کے فضائل اس قدر مشہور اور کثرت سے ہیں جو اس کے ممتاز ہونے کو کافی ہیں اس طرح کے ہر صاحب بصیرت اور ہر صاحبِ رؤیۃ اس بات کو جان لیتا ہے کہ یہ بندہ اپنے اوصاف میں منفرد ہے #اور یہ بات مخفی نہیں کہ مفعول کو ذکر کرتے وقت یا اس کو مقدر مانتے وقت یہ معنی فوت ہو جاتے ہیں

سوال: کس صورت میں مفعول بہ کو مقدر ماننا واجب ہے؟

جواب: جب مفعول بہ ذکر نہ ہو اور فعل متعدی کی اسناد فاعل کی طرف کی گئی ہو اور مطلقاً اس فعل کو فاعل کے لیے ثابت کرنے یا فعل سے فاعل کی نفی کرنے کی غرض نہ ہو بلکہ اس کا مفعول غیر مذکور کے ساتھ تعلق کا قصد کیا گیا ہو تو مفعول کو قرائن کے مطابق مقدر ماننا واجب ہے ایسے قرائن جو مفعول کو معین کرنے پر دلالت کرتے ہیں اگر وہ دلالت کرنے والا قرینہ عام ہو تو وہ مقدر لفظ بھی عام ہو گا

(مثلاً: وَاللّٰهُ يَدْعُوْٓا اِلٰى دَارِ السَّلٰمِ)

اس مثال میں غور و فکر کرنے کے بعد معلوم ہوا کہ یہاں "کل احد" محذوف ہے اور اگر وہ دلالت کرنے والا قرینہ خاص ہو تو وہ مقدر

لفظ بھی خاص ہو گا

☆جب مفعول کو مقدر ماننا واجب ہو تو یہ بات معین ہو جائے گی کہ یہی فعل یہاں مصنف کی مراد ہے اور جو لفظ حذف کیا گیا ہے وہ کسی غرض کی وجہ سے ہے

پس اس غرض کی تفصیل کی طرف مصنف کے اس قول کے ساتھ اشارہ کیا گیا ہے پھر مفعول کو ابہام کے بعد بیان کے لئے حذف کیا جاتا ہے (کیونکہ اکثر جس چیز کو حذف کے بعد ذکر کیا جاتا ہے وہ نفس میں زیادہ شدت واقع ہوتی ہے)

جیسا کہ اکثر طور پر فعلِ مشیئت اور ارادۃ میں اور ان جیسے اور افعال میں مفعول کو حذف کیا جاتا ہے لیکن ان کے لئے چند شرائط ہیں اور وہ یہ ہیں کہ وہ فعلِ مشیئت اور ارادۃ شرط واقع ہو اور جوابِ شرط مفعول کے حذف پر دلالت اور اس کو بیان بھی کرتا ہو اور جس کو حذف کیا گیا ہے اس کا تعلق فعل مشیئت کے مفعول کے ساتھ غریب نہ ہو

مثلاً: (فَلَوْ شَاءَ لَهَدَاكُمْ أَجْمَعِيْنَ) یعنی اصل عبارت یوں ہے (لَوْ شَاءَ هِدَايَتَكُمْ لَهَدَاكُمْ أَجْمَعِيْنَ)

گویا کہ جب (لَوْ شَاءَ) کہا گیا تو سامع نے جان لیا کہ یہاں کوئی چیز محذوف ہے اور فعل میشئت بھی اسی پر معلق ہے لیکن وہ یہاں پوشیدہ ہے پھر جب جوابِ شرط کو لایا گیا تو جوابِ شرط سامع کے لیے مفعول کو بیان کرنے والا ہو گیا اور یہ نفس میں زیادہ اکمل طریقے سے واقع ہوتا ہے بر خلاف اس صورت کے کہ جب فعل مشیئت کا تعلق مفعول کے ساتھ غریب ہو تو اس وقت مفعول کو حذف نہیں کیا جائے گا

جیسے: "وَلَوْ شِئْتُ أَنْ أَبْكِيَ دَمًا لَبَكَيْتُهُ عليهِ ولكنّ سَاحَةَ الصّبرِ أَوسع"

اس مثال میں فعل مشیئت (شئت) کا تعلق بکاء الدم کے ساتھ غریب ہے اسی وجہ سے مفعول کو سامع کے نفس میں پختہ کرنے کے لیے اسے ذکر کیا گیا تاکہ وہ اس سے مانوس ہو جائے

بہر حال شاعر کا قول: "فلم یبق منّی الشوق غیر تفکّری فلو شئت أن أبکی بکیت تفکّرا"

ترجمہ: شوق نے مجھ میں تفکری کے علاوہ کسی چیز کو باقی نہیں چھوڑا، پس اگر میں چاہوں تو میں تفکری رونا رو سکتا ہوں

☆فلیس منہ سے مصنف نے صدر الافاضل کے اس قول کو ذکر کیا ہے جو انہوں نے اپنی کتاب "ضرام السقط" میں ذکر کیا ہے کہ یہاں ابکی شئت فعل کا مفعول ہے اور اسے مفعول کے شئت فعل سے تعلق کے غریب ہونے کی وجہ سے حذف نہیں کیا گیا جیسا کہ بکاء دم کے ساتھ فعل کے تعلق کا غریب ہونا،

☆جبکہ مصنف فرماتے ہیں کہ یہ تعلق کے غریب ہونے کی قبیل سے نہیں ہے بلکہ قرینے کے نہ پائے جانے کی وجہ سے مفعول کو ذکر کیا گیا ہے کیونکہ پہلے بکاء سے مراد بکاء حقیقی ہے نا کہ بکاء تفکری

اسی وجہ سے شاعر کے اس قول سے یہ مراد نہیں لیا جائے گا کہ 'اگر میں رونا چاہوں تو میں تفکری رونا ہی رو سکتا ہوں" بلکہ یہ مراد لیا جائے گا کہ "مجھے کمزوری نے فنا کر دیا تو میرے اندر خیالات کے علاوہ کوئی چیز باقی نہیں رہی یہاں تک کہ اگر میں رونا چاہوں اور اپنی پلکوں کو ملوں اور اپنی آنکھوں کو نچوڑوں تا کہ ان سے آنسو بہیں لیکن میں ان میں آنسو نہیں پاتا اور ان آنکھوں سے فکری رونا نکلتا ہے"

یہاں بکاء فعل پر مشیۃ کے وقوع کا ارادہ کیا گیا ہے اور اس سے بکاء مطلق مبھم مراد ہے جو ضروری طور پر تفکر کی طرف متعدی نہیں ہوتا

☆اور جو دوسرا ابکاء ہے ہے وہ مقید ہے اور تفکر کی طرف متعدی ہوتا ہے تو پس دوسرا ابکاء پہلے بکاء کے لئے نہ تفسیر اور نہ ہی بیان بننے کی صلاحیت رکھتا ہے جیسا کہ تمہارا کہنا: "ان تعطی درھما أعطیت درھمین "یعنی اگر تو ایک درھم دینا چاہتا ہے تو تو دو درھم بھی دے سکتا ہے

جس طرح اس مثال میں اگر پہلے درھم کو حذف کر دیا جائے تو دوسرا درھمین اس کے لئے بیان نہیں بن سکتا اسی طرح دوسرا ابکاء پہلے کے لئے تفسیر اور بیان نہیں بن سکتا

☆علامہ تفتازانی رَحْمَۃُاللّٰہ عَلَیہ فرماتے ہیں یہ کہنا غلط فہمی ہے کہ یہاں کلام ابکی فعل کے مفعول کے بارے میں ہے اور مراد یہ ہے کہ یہ اس قبیل سے نہیں ہے جس میں مفعول کو ابہام کے بعد بیان کے لیے حذف کیا جاتا ہے بلکہ یہاں مفعول کو کسی دوسری غرض کی وجہ سے حذف کیا گیا ہے

☆اور ایک قول یہ بھی ہے کہ اس شعر کے معنی میں یہ بھی احتمال ہے "لو شئت ان ابکی تفکرا ابکیت تفکّرا" یعنی اگر میں رونا چاہوں تو میں تفکری رونا ہی رو سکتا ہوں

گویا جو مؤقف صدر الافاضل کا تھا وہی موقف اس قول میں بھی ہے ان کے نزدیک ابکی فعل کا مفعول محذوف ہے اور شعر کا مطلب یہ ہے

"مجھ میں آنسوؤں کا مادہ باقی نہیں بچا کیونکہ میں صرف بکار تفکری پر ہی قدرت رکھتا ہوں"

لہذا یہ اس قبیل سے ہے جس میں مثبت کے مفعول کو تعلق کے غریب ہونے کی وجہ حذف کیا جاتا ہے

اس قول میں نظر ہے کیونکہ اگر "لم یبق منّی الشوق غیر تفکری" میں سچا غور و فکر کیا جائے تو وہ اس معنی کا انکار کرتا ہے کیونکہ بکاء تفکری پر قادر ہونا بکاء تفکری کے علاوہ اس میں باقی کچھ نہ ہونے پر موقوف نہیں

2 کبھی کبھار مفعول بہ کو غیر مراد کے ارادے کے وہم کو دور کرنے کے لئے حذف کیا جاتا ہے

☆ مذکورہ عبارت "واما الدفع" کا گزشتہ عبارت (اما البیان) پر عطف کیا گیا ہے، ابتداءً یہ توھم کے متعلق ہے

جیسا کہ شاعر کا قول: "وکم ذدت عنّی مِنۡ تحَامل حادثٍ "یعنی تم نے کتنے ہی حادثات کے ظلم مجھ سے دور کیے ہیں، کہا جاتا ہے کہ فلاں نے مجھ پر ظلم کیا ہے جب اس نے عدل نہیں کیا

☆ اس مثال میں کم خبر یہ ہے اور اس کی تمیز "مِن تحَامل" ہے

نحوی کہتے ہیں کہ جب کم خبر یہ ہو اور اس کی تمیز کے درمیان فعل متعدی کے ساتھ فاصلہ کیا جائے تو اس کی تمیز پر مِنۡ لانا واجب ہے تاکہ مفعول بہ کے ساتھ التباس لازم نہ آئے

اور کم ذدت فعل کا مفعول ہونے کی وجہ سے محلِّ نصب میں ہے اور ایک قول یہ بھی ہے کہ کم کی تمیز محذوف ہے اور وہ (کم مرۃ) ہے اور "من تحامل" میں من زائدہ ہے

☆ مصنف فرماتے ہیں کہ کم کی تمیز کو محذوف ماننے اور من کو زائدہ ماننے میں نظر ہے اس قول کے ساتھ جو ہم نے پیچھے ذکر کیا ہے

مفعول کے محذوف ہونے کی ایک اور مثال بیان کرتے ہوئے نے فرمایا: "وَسُورۃِ اَیَّامٍ حززنَ الی العظم" (زمانے کی سختیوں اور رنجشوں نے ہڈی تک کو کاٹ دیا ہے)

اس مثال میں لفظ اللحم مفعول کو حذف کیا گیا کیونکہ جب اللحم کو ذکر کیا جاتا تو اکثر طور پر یہ وہم پیدا ہوتا کہ ہڈی تک گوشت کے بعض حصہ کو کاٹا گیا ہے تو اس وہم کو دور کرنے کے لئے مفعول بہ کو حذف کیا گیا ہے

3 کبھی کبھار زیادتِ اہتمام کیلئے مفعول کو ایسے طریقے پر حذف کیا جاتا ہے جو فعل کو صریح لفظ پر واقع کرنے کو شامل ہو نہ کہ ضمیر عائد پر مفعول کے فعل کے واقع ہونے کے ساتھ کمالِ عنایت کو ظاہر کرنے کے لیے یہاں تک کہ متکلم ضمیر پر فعل کے وقوع سے راضی نہ ہو اگرچہ ضمیر سے کنایہ ہی ہو

مثلاً: "قد طلبنا فلم نجد لک في السود والمجد والمكارم مثلا"

یہاں "قد طلبنا لک مثلاً" تھا تو مثلا کو حذف کر دیا گیا کیونکہ اگر حذف نہ کرتے تو فلم نجدہ لانا پڑتا جس کی وجہ سے صریح لفظ پر واقع کرنے کی غرض قوت ہو جاتی

اس مفعول کے محذوف ہونے کی وجہ کی یہ بھی ہو سکتی ہے کہ شاعر نے ممدوح کی مدح میں مبالغہ کیا ہے کہ طلب وہ چیز کی جاتی ہے جو پائی جائے اگر مفعول کو ذکر کرتے تو پھر مطلب یہ ہوتا کہ اس کی مثل پایا تو جاتا ہے مگر ہم نے پایا نہیں ہے

اس کے مفعول کو ذکر نہ کر کے اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ اس کی مثل کوئی نہیں پایا گیا

4 تعمیم مع الاختصار کے لیے بھی مفعول بہ کو حذف کیا جاتا ہے

مثلاً: "قد کان منک مایؤلم"

اس کا مفعول "کل احد" محذوف ہے

5 محض اختصار کے لیے جب قرینہ موجود ہو

مثلاً: "اصغیت الیہ" ای اذنی، وعلیہ

اعتراض: شارح کہتے ہیں کہ مصنف کا یہ قول کہ حذفِ مفعول بہ تعمیم مع الاختصار کا فائدہ دیتا ہے یہ بات غلط ہے کیونکہ اگر حذف کے علاوہ کوئی ایسا قرینہ نہ ہو جو اس بات پر دلالت کرے کہ حذف کوئی عام چیز ہے تو تعمیم بالکل نہیں ہو گی اور اگر قرینہ پایا جائے تو تعمیم مقدر کے عموم کی وجہ سے ہو گی خواہ مفعول بہ کو حذف کیا جائے یا نہ کیا جائے پس اس صورت میں حذفِ مفعول بہ صرف اختصار کے لئے ہو گا نہ کہ تعمیم مع الاختصار کے لئے

جواب: شارح نے خود ہی اس کا جواب اپنی کتاب "شرح مفتاح" میں دیا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ ہم نے شقِ اول (اِن لم یکُن فیہ

قرینۃ دالۃ علی أن المقدر عام) کو اختیار کیا ہے یعنی اگر کوئی ایسا قرینہ نہ پایا جائے جو اس بات پر دلالت کرے کہ حذف کوئی عام چیز ہے تو عمومیت بالکل نہیں ہوگی اور اگر کوئی قرینہ پایا جائے تو تعمیم مقدر کے عموم سے مستفاد ہوگی برابر ہے کہ مفعول بہ حذف ہو یا نہ ہو پس مفعول بہ کو حذف کرنا یہ صرف اختصار کے لیے ہوگا

6 کبھی کبھار مفعول بہ کو رعایتِ فاصلہ کے لیے حذف کیا جاتا ہے

مثلاً: اللہ پاک کا فرمان: (وَالضُّحٰى (1) وَالَّيْلِ اِذَا سَجٰى (2) مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلٰى (3))

قلی اصل میں قلاک تھا فاصلہ کی رعایت کے لئے اور اختصار کے حصول کے لئے کے مفعول بہ کی ضمیر کو حذف کر دیا ہے

7 کبھی کبھار مفعول بہ کو اس کے ذکر کے قبیح ہونے کی وجہ سے حذف کر دیا جاتا ہے

جیسے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا فرمان: (ما رایت منہ) أي من النبي عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَام (وَلا رای منّی) أی العورۃ

یہاں پر مفعول بہ کے ذکر کے قبیح ہونے کی وجہ سے اسے حذف کیا گیا ہے

اور کبھی دیگر نکتوں کی وجہ سے بھی مفعول بہ کو حذف کر دیا جاتا ہے جیسا کہ جب متکلم مفعول بہ کو سامع سے پوشیدہ رکھنا چاہتا ہو یا مفعول بہ کا انکار ممکن ہو جب اس کی ضرورت پڑے، یا مفعول بہ کے حقیقی طور پر متعین ہونے کی وجہ سے سے، یا حقیقی طور پر متعین ہونے کے دعوے کی وجہ سے بھی مفعول بہ کو حذف کیا جاتا ہے

سوال: مفعول اور اس کے ملحقات کو فعل پر مقدم کیوں کہ جاتا ہے؟

جواب: مفعول اور اس کے ملحقات (مثلاً: جار مجرور، ظرف اور حال وغیرہ) کو فعل پر تعیین میں خطا کو رد کرنے کے لیے مقدم کیا جاتا ہے

مثلاً: "زیدا عرفتُ"

کسی ایسے شخص سے کہنا جو یہ اعتقاد رکھتا ہو کہ تم کسی انسان کو جانتے ہو اور اس کا یہ اعتقاد تو درست ہے اور وہ یہ اعتقاد بھی رکھتا ہے کہ وہ انسان زید کے علاوہ ہے اس میں وہ خطا کرتا ہے، اس رد کی تاکید کے لیے لا غیر بھی کہا جا سکتا ہے

یعنی "زیدا عرفت لا غیرہ"

کبھی اشتراک میں خطا کو رد کرنے کے لیے بھی مفعول بہ کو مقدم کیا جاتا ہے

مثلاً:"زید اعرفتہ"

ایسے بندے سے کہنا جو یہ اعتقاد رکھتا ہے کہ تمہیں زید اور عمر کے بارے میں معلوم ہے

تم اس کی تاکید میں وحدہ کہہ سکتے ہو"زید اعرفت وحدہ""

زید ااکرم اور عمرو لا تکرم

☆امر اور نہی کی صورت میں بھی تعیین اور اشتراک کے رد کے طور پر جواب دیا جا سکتا ہے

☆علامہ تفتازانی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں مصنف کے لیے مناسب یہ تھا کہ "لافادۃ الاختصاص" کہتے

☆اور اسی طرح مفعول کی تعیین میں خطا کو رد کرنے کے لیے مفعول بہ کو مقدم کیا جاتا ہے اس چیز کے اعتقاد کی درستگی کے ساتھ کہ مفعول پر فعل واقع ہو رہا ہے اسی وجہ سے یہ مثال (مازیداً ضربتُ ولا غیرَہ) درست نہیں کیونکہ اس مثال میں زید کا مقدم ہونا یہ زید کے علاوہ کے لیے ضرب کے وقوع پر دلالت کرتا ہے خاص معنی کے لیے متحقق ہونے کی وجہ سے اور تمہارا یہ کہنا (ولا غیرَہ) یہ ضرب کی نفی کر رہا ہے تو تقدیم کا مفہوم لا غیرہ کے تلفظ کے مناقض ہو گا، ہاں! اگر مفعول کو مقدم کرنا تخصیص کے علاوہ کسی اور غرض کے لیے ہو جیسے تلذُّذ کے فائدے کے لیے تو یہ مذکورہ مثال جائز ہو گی اور اسی طرح (زیداً اضربت وغیرہ) کی مثال بھی ہے

اور یہ مثال (مازیداً ضربتُ ولکن اکرمتہ) بھی اسی طرح درست نہیں ہے کیونکہ اس مثال میں مخاطب کو فعل ضرب میں خطا واقع ہوئی ہے اکرام میں خطا واقع نہیں ہوئی، پس یہ مثال (مازیداً ضربتُ ولکن عمراً) اس طرح درست ہو گی

بہر حال (زیداً عرفتُہ) یہ مثال تاکید کے لیے ہو گی اگر اسی عرفت کی مثل فعل کو مفعول سے پہلے مقدر مانے جو فعلِ مذکور کے لیے مفسر بن رہا ہے جیسے (عرفتُ زیداً عرفتہٗ) اور اگر فعلِ مفسّر کو مفعول سے پہلے مقدر نہ مانے بلکہ مفعول کے بعد مقدر مانیں تو اس وقت مثال تخصیص کے لیے ہو گی جیسے (زیداً عرفتُ عرفتہٗ)

کیونکہ فعلِ محذوف فعلِ مذکور ہی کی طرح ہوتا ہے تو اس کا محذوف پر مقدم ہونا ایسے ہی ہے جیسے مذکور پر مقدم ہونا اختصاص کے فائدے کے لیے جیسا کہ بسم اللہ والی مثال

پس زیداً عرفتہ والی مثال دو معنی کا احتمال رکھتی ہے تخصیص کا اور تاکید کا تو دونوں میں میں سے کسی ایک کو معین کرنے کے لئے قرینے کی حاجت ہوگی اور قرینے کے پائے جانے کے وقت زیداً عرفتہ والی مثال تخصیص کے لیے ہوگی کیونکہ اس میں تخصیص کا مقام ہے زیداً عرفتہ میں تکرار کے پائے جانے کی وجہ سے یہ زیادہ مؤکد ہے زیداً عرفتُ سے

اعتراض: ثمود کے بارے میں دو قراء تیں ہیں رفع کے ساتھ اور نصب کے ساتھ جب رفع پڑھیں گے تو یہ تکرار اسناد کی وجہ سے تاکید ہی کا فائدہ دے گا اور جب نصب پڑھیں گے تو یہ تخصیص اور تاکید دونوں کا فائدہ دے گا جبکہ مصنف فرماتے ہیں کہ اس صورت میں یہ تخصیص ہی کا فائدہ دے گا مصنف نے ایسا کیوں کہا؟

جواب: مصنف فرماتے ہیں بعض نسخوں میں یہ مثال ہے (واما ثمود فھدینھم) اس مثال میں مفعول کا فعل پر مقدم ہونا تخصیص مع التاکید کے فائدے کے لئے ہے، تاکید بلا تخصیص کے فائدے کے لئے نہیں ہے فعلِ مقدر کے مفعول پر ممتنع ہونے کی وجہ سے جیسے (اما ثمود فھدینھم) کیونکہ امّا اور فاء شرطیہ کے درمیان مفعول کے ذریعے فاصلہ کرنا لازم ہے اور تاکید کی صورت میں فاصلہ نہیں ہوتا صرف تخصیص کی صورت میں فاصلہ ہوگا پس مفعول کو مقدم کرنے کی صورت میں تقدیری عبارت یہ ہوگی (أمّا ثمود فھدینا فھدیناھم) مصنف فرماتے ہیں کہ اس مقدم کرنے میں نظر ہے کیونکہ کبھی کبھی ایسی ترکیب اصلِ فعل کے ثبوت میں جھل کے ساتھ واقع ہوتی ہے جیسا کہ جب تیرے پاس زید اور عمرو آئیں پھر تجھ سے کوئی پوچھے کہ تم نے ان دونوں کے ساتھ کیا کیا ہے تو تو جواب دے (أمّا زِیدًا فضربتہ وأنا عمراً فاکرمتہ)

بہر حال جس طرح مفعولِ صریح کو مقدم کرنا تخصیص کا فائدہ دیتا ہے (مثلاً: زیدا عرفت) اسی طرح مفعولِ غیر صریح بھی مفعول کے واسطے کے ساتھ تخصیص کا فائدہ دیتا ہے (مثلاً: بزید مررت)

وہ بندہ جو تیرے بارے میں یہ اعتقاد رکھتا ہے کہ تو کسی انسان سے ملا ہے اور وہ زید کے علاوہ کوئی اور ہے اور تو تخصیص کے طور پر کہتا ہے کہ میں زید سے ہی ملا ہوں کسی اور سے نہیں ملا

☆اور اسی طرح مفعول فیہ کو مقدم کرنا بھی تخصیص کا فائدہ دیتا ہے

مثلاً: "یوم الجمعة سرت، فی المسجد صلیت"

☆اور اسی طرح مفعول بہ اور حال کو بھی مقدم کرنا تخصیص کا فائدہ دیتا ہے

مثلاً: "تادیباً ضربتہ، ماشیا حججت "

☆جس کا حق مؤخر ہو اس کو مقدم کرنا بھی اکثر طور پر تخصیص کا فائدہ دیتا ہے یعنی مفعول اور دیگر چیزیں جو مفعول جیسی ہیں اکثر طور پر یہ مقدم ہونے سے تخصیص سے جدا نہیں ہوتی مگر جب کوئی دوسری غرض پائی جائے جیسے صرف اہتمام کے لئے، تبرک کے لئے، تلذذ کے لئے، سامع کے کلام کی موافقت کے لئے، وزن شعری، رعایۃ سجع اور رعایۃ فاصلہ کے لئے بھی مقدم کیا جاتا تخصیص کے فائد کے لئے

مثلاً: اللہ پاک کا فرمان: "خُذُوْهُ فَغُلُّوْهُ (30) ثُمَّ الْجَحِيْمَ صَلُّوْهُ (31) ثُمَّ فِيْ سِلْسِلَةٍ ذَرْعُهَا سَبْعُوْنَ ذِرَاعًا فَاسْلُكُوْهُ"

یہاں الجحیم اور فی سلسلۃ کو رعایت فاصلہ کے لئے مقدم کیا گیا ہے

اور اسی طرح یہ فرمان: "وَاِنَّ عَلَيْكُمْ لَحٰفِظِيْنَ " اور " فَاَمَّا الْيَتِيْمَ فَلَا تَقْهَرْ (9) وَاَمَّا السَّآئِلَ فَلَا تَنْهَرْ (10) " اور " وَمَا ظَلَمْنٰهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ "

سوال: ایاک نعبد وایاک نستعین کا کیا معنی ہے؟

جواب: اس کا معنی ہے کہ ہم تجھے عبادت اور استعانت کے ساتھ خاص کرتے ہیں

یعنی ہم موجودات میں سے کسی شئے کو عبادت واستعانت کے ساتھ خاص نہیں کرتے نہ ہم تیرے علاوہ کسی کی عبادت کرتے ہیں اور نہ کسی سے مدد طلب ہیں

سوال: لاالی اللہ تحشرون کا کیا معنی ہے؟

جواب: اس کا معنی یہ ہے کہ تمہیں اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے اس کے علاوہ کسی کی طرف لوٹ کر نہیں جانا

ان تمام صورتوں میں تقدیم تخصیص کے ساتھ اہتمام بالمقدم کا بھی فائدہ دیتی ہے کیونکہ اہل عرب اہم چیز کو مقدم کرتے ہیں

سوال: بسم اللہ میں مقدر مؤخر ہونا ہے یا مقدم ہونا؟

جواب: چونکہ تقدیم اہتمام بالمقدم کا فائدہ دیتی ہے اس لئے بسم اللہ میں مقدر مؤخر ہو گا یعنی بسم اللہ افعل کذا کہا جائے گا نا یہ کہ اختصاص کے ساتھ اہتمام کا بھی فائدہ دے

مشرکین اپنے خداؤں کے نام سے ابتداء کرتے اور "باسم الات باسم العزی" کہتے تھے تو مسلمان کو چاہیے کہ وہ ابتدا میں اللہ کا نام لا کر اہتمام کے لیے اور ان مشرکین کا رد کرنے کے لیے تخصیص کا قصد کرے

اعتراض: (اقرأ باسم ربک) پر ایک اعتراض وارد ہوتا ہے کہ اگر مفعول کو مقدم کرنا تخصیص اور اہتمام کا فائدہ دیتا ہے تو ضروری ہے کہ اقراء فعل کو مؤخر کیا جائے اور باسم ربک کو مقدم کیا جائے کیونکہ بندوں کے کلام میں بلاغت کے نکات کی رعایت کرنا واجب ہے تو اللہ پاک کے کلام میں بلاغت کے نکات کی رعایت کرنا بدرجہ اولی واجب ہے

جواب: اس کے دو جواب دیئے گئے ہیں

1 اس میں قراءت اہم ہے کیونکہ یہ نازل ہونے والی پہلی سورت ہے جس میں قراءت کرنے کا حکم ہے جو کہ عارضی ترجیح کا اعتبار کرتے ہوئے اہم ہے اگرچہ اللہ پاک کا اس کو ذکر کرنا اس کی ذات کے اعتبار سے اہم ہے یعنی یہاں عارضی ترجیح کو حقیقی ترجیح پر مقدم کیا گیا ہے

2 باسم ربک یہ فعل ثانی کے متعلق ہے جو اس کے بعد محذوف ہے اور جو پہلا فعل اقراء ہے اس کا معنی یہ ہے کہ یہ قراءت کا زیادہ حق رکھتا ہے، اس صورت میں عبارت اس طرح ہو گی "اقراء باسم ربک اقراء" اس فعل کے مفعول بہ کی طرف متعدی ہونے کا اعتبار کیے بغیر جیسا کہ یہ مثال (فلان یعطی) جس کو صاحب مفتاح نے ذکر کیا ہے

سوال: فعل کے بعض معمولات کو بعض پر مقدم کرنے کی وجوہات لکھیں

جواب: فعل کے بعض معمولات کو بعض پر مقدم کیا جاتا ہے

1 کیونکہ ان کی اصل ہی مقدم ہونا ہوتی ہے اور اصل سے عدول کا کوئی مقتضی بھی نہیں ہوتا

جیسا کہ فاعل کی مثال "ضرب زید اعمرًا" اس میں فاعل مقدم ہے حالانکہ دونوں فعل کے معمول ہیں فاعل کو اس لیے مقدم کیا کہ یہ کلام میں عمدہ ہوتا ہے اور اس کا حق یہ ہوتا ہے کہ یہ فعل سے ملا ہوا ہو

2 ان کا ذکر اہم ہوتا ہے اس لیے ان کو مقدم کرتے ہیں

3 موخر کرنے سے معنی کے بیان میں خلل پیدا ہوتا ہے

مثلاً: "وقال رجل مومن من آل فرعون یکتم ایمانہ"

من آل فرعون کو یکتم ایمانہ سے مؤخر کرتے تو یہ وہم ہوتا کہ یہ یکتم کا صلہ ہے اور یہ معلوم نہیں ہوتا کہ وہ انہیں میں سے تھا

☆ فعل کے بعض معمولات کو بعض معمولات پر مقدم کیا جاتا ہے تناسب کی وجہ سے جیسے رعایتِ فاصلہ کے لیے

مثلاً: "فَاَوْجَسَ فِیْ نَفْسِہٖ خِیْفَةً مُّوْسٰی"

اس میں جار مجرور اور مفعول کو فاعل پر مقدم کیا ہے کیونکہ آیت کے فواصل الف مقصورہ پر ہیں

سوال: آپ نے پہلی صورت میں کہا تھا کہ اصل ہونے کی وجہ سے فاعل مقدم ہوتا ہے لیکن ہم آپ کو ایسی مثال دکھاتے ہیں جہاں مفعوم مقدم ہے اور فاعل مؤخر ہے "ضربت زید اغلامہ"

جواب: یہاں اصل سے عدول کا مقتضی موجود ہے اور وہ اضمار قبل الذکر ہے اس لئے مفعول مقدم ہے

سوال: ہم آپ کو ایسی مثال دکھاتے ہیں جس میں دو مفعول ہیں دونوں ایک جیسے ہیں آپ نے ایک کو مقدم کیا اور دوسرے کو مؤخر کیا "اعطیت زیدا درھما"

جواب: اس کی اصل ہی تقدیم ہے کیونکہ زید کے اندر فاعلیت کا معنی پایا جارہا ہے اور وہ یہ ہے کہ زید اعطا کو لینے والا ہے

سوال: مصنف نے یہاں اہمیت کو تقدیم کے اصل ہونے کی قسیم بنایا ہے جبکہ مسند الیہ کے بیان میں اہمیت کو بقیہ اغراض میں شامل کیا ہے ایسا کرنے میں کیا حکمت ہے؟

جواب: مصنف کی مراد یہاں اہمیت عارضہ ہے جو متکلم یا سامع کی طرف سے عارض آتی ہے اغراض میں سے کسی غرض کی وجہ سے جیسے "قتل الخارجی فلان" قتل کے تعلق سے خارجی اہم ہے تاکہ لوگ اس کے شر سے چھٹکارہ حاصل کریں

قصر

سوال: قصر کا لغوی واصطلاحی معنی بیان کریں

جواب: لغوی معنی:

"الحبس" یعنی روکنا

اصطلاحی معنی:

مخصوص طریقے سے ایک شئے کو دوسری شئے کے ساتھ خاص کرنا

سوال: ابتداءً قصر کی کتنی اور کون کون سی اقسام ہیں؟

جواب: ابتداءً قصر کی دو قسمیں ہیں

1 قصر حقیقی:

ایک شئے کو دوسری شئے کے ساتھ اس طرح خاص کرنا کہ وہ نفس الامر میں اصلاً اُس کے غیر کی طرف تجاوز نہ کرے

جیسے "لاالہ الااللہ"

2 قصر غیر حقیقی یا اضافی:

ایک شئے کو دوسری شئے کے ساتھ اس طرح خاص کرنا کہ کسی دوسری شئے کی طرف نسبت کرتے ہوئے وہ غیر کی طرف تجاوز نہ کرے

جیسے "مازید الا قائم"

سوال: قصر الموصوف علی الصفۃ اور قصر الصفۃ علی الموصوف کی وضاحت کریں

جواب: قصر حقیقی اور اضافی میں سے ہر ایک کی پھر دو قسمیں ہیں

1 قصر الموصوف علی الصفۃ:

وہ یہ ہے کہ موصوف اس صفت سے کسی دوسری صفت کی طرف تجاوز نہ کرے لیکن یہ جائز ہے کہ وہ صفت کسی دوسرے موصوف کی ہو

جیسے "مازید الا کاتب" جب کہ وہ کتابت کے علاوہ کسی چیز سے متصف نہ ہو

2 قصر الصفۃ علی الموصوف:

وہ یہ ہے کہ وہ صفت اس موصوف سے دوسرے موصوف کی طرف تجاوز نہ کرے لیکن یہ جائز ہے کہ اس موصوف کی دوسری صفات ہوں

جیسے "مافی الدار الازید"

سوال: قصر میں صفت سے کیا مراد ہے؟

جواب: یہاں صفت سے مراد صفت معنویہ یعنی قائم بالغیر ہے نہ کہ نحوی صفت یعنی وہ تابع جو اپنے متبوع میں پائے جانے والے معنی پر دلالت کرے اور شمول نہ ہو

سوال: مذکورہ دونوں معنی میں کون سی نسبت ہے؟

جواب: ان دونوں میں عموم خصوص من وجہ کی نسبت ہے کیونکہ ان کے مابین ایک مادہ اجتماعی ہے جیسے "اعجبني هذا العلم" اور دو مادہ افتراقی ہیں جیسے "العلم حسن اور مررت بهذا الرجل"

سوال: "والأول من الحقيقي لا يكاد يوجد" اس عبارت کی وضاحت کریں

جواب: مصنف یہاں یہ بتا رہے ہیں کہ قصر الموصوف علی الصفۃ حقیقی جیسے "مازید الا کاتب" جب کہ متکلم کا مقصود یہ ہو کہ وہ کتابت کے علاوہ کسی شے سے متصف نہ ہو، یہ قسم پائی ہی نہیں جاتی کیونکہ کسی شے کی تمام صفات کا احاطہ متعذر ہے کہ ان میں سے کسی ایک کو ثابت کیا جائے اور اسکی بالکلیہ نفی کر دی جائے بلکہ یہ تو محال ہے کیونکہ جس صفت کی نفی کی جائے گی اس کی نقیض بھی ہو گی اور وہ نقیض ایسی صفت ہے کہ جس کی نفی ممکن نہیں ورنہ اجتماع نقیضین ہو گا

کیونکہ جب ہم کہیں "مازید الا کاتب" اور مراد یہ ہو کہ وہ کتابت کے علاوہ کسی صفت سے متصف نہیں تو لازم آئے گا کہ وہ قیام اور اس کی نقیض دونوں سے متصف نہ ہو اور یہ محال ہے

سوال: "والثاني كثير" اس عبارت کی وضاحت کریں

جواب: مصنف فرما رہے ہیں کہ قصر الصفۃ علی الموصوف حقیقی کا وجود کثیر ہے مثلاً: "مافی الدار الازید" کا معنی ہو گا کہ معین گھر میں ہونا زید کے ساتھ خاص ہے کسی اور کو حاصل نہیں اور یہ بغیر کسی شک وشبہ درست ہے، البتہ بعض اوقات بقیہ بھی اس صفت میں شریک تو

ہوتے ہیں مگر بطورِ مبالغہ معین موصوف کے ساتھ ہی صفت کو خاص کر دیتے ہیں گویا کہ باقی موصوف کالعدم ہیں اور کسی شمار اور گنتی میں نہیں

مثلاً: "مافي الدار الازيد" سے متکلم کا مقصود یہ ہو کہ سوائے زید کے جو بھی گھر میں ہے وہ بمنزلہ عدم کے ہے لہذا اب یہ قصر حقیقی ادعائی ہو جائے گا

سوال: قصر افراد، قلب اور تعیین کی مع امثلہ وضاحت کریں

جواب: قصر افراد یہ ہے کہ مخاطب دو اشیاء کے ایک حکم میں اشتراک کا اعتقاد رکھتا ہے تو اس کے اعتقاد کو رد کرنے کے لیے ایک شئے کو حکم کے ساتھ خاص کرنا قصرِ افراد کہلاتا ہے

جیسے "لاالہ الااللہ "اس میں مشرکین کے شرکت کے اعتقاد کو رد کر دیا گیا ہے

☆ قصرِ قلب یہ ہے کہ مخاطب کسی شئے کو حکم کے ساتھ خاص جانتا ہے تو اس کی نفی کرنے کے لیے دوسری شئے کو حکم کے ساتھ خاص کرنا قصرِ قلب کہلاتا ہے

جیسے مخاطب کا اعتقاد ہے کہ زید بیٹھا ہے تو اس کو کہنا کہ "مازید الا قائم"

☆ قصر تعیین یہ ہے کہ مخاطب دو امروں میں متردد ہو کہ اس میں کون سا حکم ثابت ہے تو اس کی رہنمائی کرتے ہوئے اس کو ایک امر کے ساتھ خاص کر دینا قصر تعیین کہلاتا ہے

جیسے "انما المنطلق زید"

سوال: لفظ دون کا معنی حقیقی اور مجازی کیا ہے؟

جواب: دون اصل میں "ادنی مکان من الشئ "یعنی کسی چیز سے نیچے کی جگہ میں ہونا، کے لیے ہے مثلاً کہا جاتا ہے "ھذا دون ذاک "یعنی یہ اس سے نچلے مکان میں ہے، پھر احوال و مراتب میں تفاوت کے لیے اسے بطور استعارہ استعمال کیا جانے لگا، پھر اس میں مزید وسعت کی گئی اور ہر اس شے کے لیے استعمال ہونے لگا جو ایک حد سے دوسری حد تک تجاوز کر جائے یا ایک حکم سے دوسرے حکم تک بڑھ جائے

تمـــت

بالخيـــر

مصنف کی دیگر تصنیفات

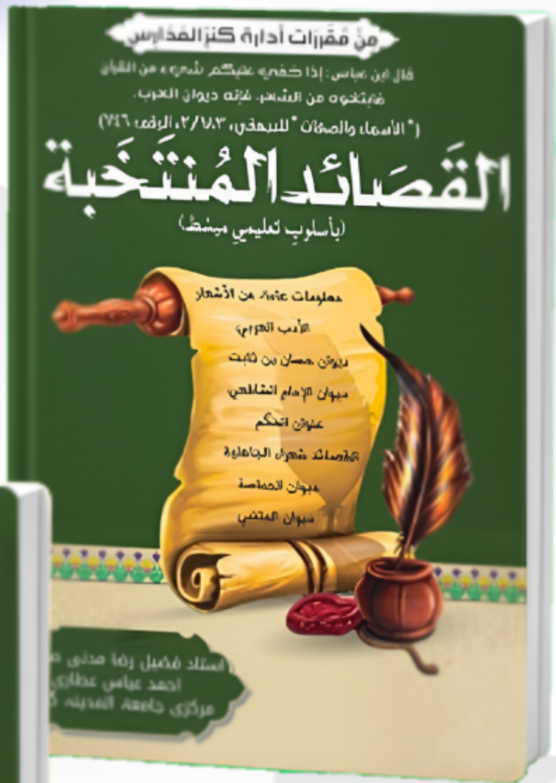

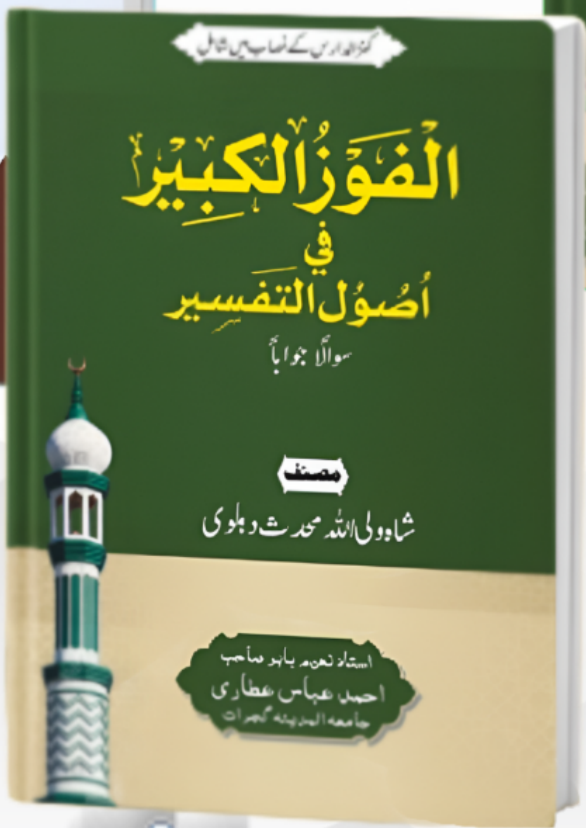

احمد عباس عطاری
03127237373
مرکزی جامعة المدینہ گجرات